اصلاح

بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ

از تصانیف جناب فخر الحکما صدر العلماء مولانا الحاج
السید علی اظہر صاحب دامت برکاتہ

الرسالۃ الیدیۃ

۱۳۲۷ھ

CHECKED 199

ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے والا رسالہ
تمامی خریداران اصلاح ۱۳۲۷ھ کے لئے تحفہ

مطبع اصلاح کھجوہ ضلع سارن سے شایع ہوا

ارسال الیدین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ الطاہرین اما بعد اس رسالہ کی غرض اصلی اس امر کی تحقیق ہے کہ نماز پڑہنے مین ہاتھ کھول کر پڑہنا چاہئے جو طریقہ شیعہ ہے یا ہاتھ باندہ جو طریقہ اہلسنت ہے۔ مگر اس تحقیقات کا مدار صرف کتب معتبرہ اہلسنت پر ہے نہ کوئی روایت شیعہ لیجائیگی نہ اونکی کسی کتاب کا حوالہ دیا جائیگا۔

چونکہ اسکے قبل تین مسئلہ کی تحقیق اسی قاعدہ سے ہو چکی ہے ایک مسئلہ کلوخ جسمین رسالہ الحجرہ تصنیف ہوا اور اوسنے تمام عالم کو بتا دیا کہ کلوخ لینے کے بارے مین کسی طرح کی حدیث رسول اللہ سے نہین منقول ہے۔ بلکہ تمامی اہلسنت اس مسئلہ مین حضرت عمر کی سنت پر قائم ہین جسنے ثابت کر دیا کہ اہلسنت کا عمل طریقہ عمری پر ہے نہ سنت نبیؐ پر۔

دوسرا رسالہ وضو جسنے بدیہی طور پر کھول دیا کہ خلاف نص صریح قرآن فامسحوا برءوسکم وا[illegible]م الی الکعبین جو طریقہ اہلسنت مین جاری ہے کہ وہ

عمل قطعًا نہین کرتے ہین اسکے موجد بھی عمر صاحب ہین نہ خدا اور رسول تیسرا رسالہ البسملہ ہے جسنے تمام عالم پر ثابت کردیا کہ رسول اللہ کا عام طریقہ یہی تھا کہ نماز مین ہر سورہ کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو باواز بلند پڑھا کرتے تھے مگر چونکہ عمر صاحب اسے نماز مین نہ پڑھتے تھے اسلئے وہی طریقہ اہلسنت مین رائج ہوا اور آیات و احادیث کے خلاف آج تک عمل کر رہے ہین خواہ اہل حدیث ہون یا حنفی حالانکہ خاص طور پر صحیح بخاری مین اسکا حکم تاکیدی موجود ہے کہ پیشاب مین پوری طہارت کرو عذاب قبر بیشتر اسیوجہ سے ہوتا ہے مگر چونکہ حضرت عمر پانی سے استنجا نہ کرتے تھے بلکہ دیوار پر رگڑ لیتے یا زمین پر وہی دستور اہلسنت مین جاری ہے بلکہ اوسی صحیح بخاری مین جریدتین کا بھی حکم ہے کہ حضرت نے قبرون پر تر ڈالیان رکھین اور بریدہ اسلمی صحابی نے اسکی وصیت کی کہ بوقت دفن اونکے ساتھ جریدتین رکھے جائین مگر اہلسنت کا عمل خلاف ہے لہذا نہایت واضح طور پر معلوم ہوا کہ اہلسنت کا عمل سنت عمر پر ہے اور اہلحق شیعہ اثنا عشریہ کا عمل سنت رسول اللہ پر کہ ایک امر مین بھی سنت نبوی کی مخالفت نہین کرتے۔ تو کیا اب بھی اسکے مدعی ہو سکتے ہین کہ اونکا عمل سنت رسول اللہ پر ہے ؟ ہرگز نہین۔

اب اس رسالہ کی تقسیم ایک مقدمہ اور دو جملون پر کی جاتی ہے پہلے جملہ مین ہاتھ کھولنے کے دلائل مذکور ہونگے اور دوسرے جملہ مین ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کے دلائل کا ابطال کیا جائیگا شاید کوئی مسلمان اس سے ہدایت پاے اور راہ حق قبول کرے واللہ ولی التوفیق۔

مقدمہ

اس مسئلہ مین اہلسنت کا چار مذہب ہے جسکو علامہ عبد الوہاب شعرانی اپنی کتاب رحمۃ الامہ فی اختلاف الائمہ مین ان لفظون سے لکھتے ہین ۔

فصل واجمعوا على انه يسن وضع اليمين على الشمال فى الصلوٰة الا فى رواية عن مالك وهى المشهورة انه يرسل يديه ارسالا وقال الاوزاعى بالتخيير واختلفوا فى محل وضع اليدين فقال ابو حنيفة تحت السرة وقال مالك والشافعى تحت صدره فوق سرته وعن احمد روايتان اشهرهما وهى التى اختارها الخرقى كمذهب ابوحنيفة والسنة عند الثلاثة ان ينظر المصلى الى موضع سجوده ص ۳۱ مطبوعہ مصر حاشیہ میزان الکبری

اجماع کیا ہے (آئمہ اہلسنت نے) کہ سنت ہے رکھنا داہنے ہاتھ کا بائین ہاتھ پر نماز مین (۲) مگر مالک سے روایت ہے اور وہی مشہور بھی ہے کہ وہ ہاتھون کو کھولکر نماز پڑہتے تھے (۳) اوزاعی قائل تخییر ہین کہ نماز پڑہنے والے کو اختیار ہے ہاتھ کہولکر نماز پڑہے یا باندھکر ۔

اب اسمین اختلاف ہے کہ دونو ہاتھ کہان رکھے جائین (۱) ابوحنیفہ کہتے ہین زیر ناف ۔ (۲) مالک شافعی کہتے ہین ناف کے اوپر سینہ کے نیچے احمد سے دو روایت ہے مشہور جسے خرقی نے بھی اختیار کیا ہے مطابق ابوحنیفہ ہے (زیر ناف)

اور تینون کے نزدیک یہ سنت ہے کہ مصلی نماز مین نظر کرے طرف موضع سجود اپنے۔

تو اب معلوم ہوا کہ ہر امام کا مذہب جداگانہ ہے ایک ہاتھ کہولتا ہے دوسرا سینہ پر تیسرا زیر ناف رکہتا ہے چوتہا لکہتا ہے جہان چاہو رکہو جس سے ایک معمولی سمجہہ کا آدمی بہی اس نتیجہ پر ضرور پہنچتا ہے کہ یہ مذہب رسول اللہ سے نہین لیا گیا ہے نہ اونکے طریقہ پر انکا عمل ہے۔ کیونکہ یہ ضرور ہے کہ حضرت کا کوئی خاص معمول تہا جسکے مطابق آپ نماز پڑہتے۔ اگر اس مذہب کے اصول و فروع آپسے ماخوذ ہوتے تو اونمین یہ اختلاف نہوتا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت ہر طرح سے پڑہتے تہے یعنی کوئی آپکا خاص طریقہ نہ تہا۔ بلکہ جب جیسا دلمین آیا ویسا کیا ہے۔

تو گو یہ مقولہ کسی مسلم کا نہین ہوسکتا جو حضرت پر ایسا اتہام لگائے۔ مگر بالفرض اگر یہی بات ہے تو پہر ہر امام نے ایک خاص طریقہ اپنا کیون بنا رکہا جس سے معلوم ہو کہ بغرض تفریق جماعت مسلمین۔ فرقہ بندی قایم کرنے کے لئے ہر امام نے ایک ایک خاص صورت نکالی کہ مسلمانون کی جماعت متفرق ہو اکہ معلوم ہو کون کس مذہب کا پابند ہے حالانکہ خداوند عالم فرماتا ہے واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً و لا تفرقوا فتذہب ریحکم شعرانی سے تعجب ہے کہ آخر اونہونے وضع یمین علی الشمال پر دعوے اجماع کیون کیا۔ حالانکہ اسی مقام پر وہ لکہ رہے ہین کہ مذہب مالک ارسال ہے (ہاتہہ کہولنا) اور اوزاعی کی نسبت کہتے ہین کہ وہ قائل تخییر ہین۔

کہ مصلی مختار ہے ہاتھ کھولکر پڑھے یا باندھ کر پھر اجماع کہاں رہا حالانکہ یہی شعرانی اپنی میزان کبری مین امام شافعی سے ناقل ہین و به صرح الشافعی فی الام فقال وان ارسلهما ولم يعبث بهما فلا بأس صفحہ ۱۲ یعنی اسکی تصریح کی ہے شافعی نے ام مین کہ اگر دونو ہاتھ کو ڈال دے اور ہلا نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہین۔ لہذا معلوم ہوا کہ شافعی بھی ارسال کے قائل ہین اور اسکو جائز جانتے ہین۔

اس تقریر سے معلوم ہوا کہ اصل مسئلہ مین کوئی دلیل شرعی ان لوگونکے پاس نہین ہے جس سے ہر قسم کے فتوے دیے گئے۔ آہ آہ نماز جو عمدہ ارکان دین سے ہے بلکہ مطابق عقاید اہلحدیث اصول دین مین داخل ہے۔ اوسکی یہ گت بنائی گئی کہ ایک صورت پر بھی نماز کے اتفاق نہین کہ آخر نماز پڑہی جائے تو کسطرح جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگون نے کبھی دیکھا ہی نہین کہ رسول اللہ کیونکر نماز پڑہتے ہین۔ ہاتھ باندھتے ہین یا کھول کر پڑہتے ہین۔

ان اختلافات سے آپ اس نتیجہ پر بھی ضرور پہونچینگے کہ کوئی روایت صحیح انکے پاس نہین ہے جس سے استدلال کرسکین کیونکہ اگر کوئی حدیث ہوتی تو اسقدر اختلافات نہوتے۔

الغرض نیچری مسلمانون کی نماز سے اور اوسکے ارکان وآداب سے اسدرجہ بیخبر ہے کہ یہ بھی نہ معلوم ہوا سنت رسول کیا تھی اور اسپر دعوے اسلام ہے۔

یہ سب نتیجہ ہے اتباع صحابہ کا جو ماخذ احکام شریعت بنائے گئے اور

اور انکی روایت بالفعل پر مذہب کا مدار کہا گیا ورنہ اگر وہ اتباع ثقلین کرتے کتاب و عترت طاہرہ سے احکام لیتے تو ہرگز کوئی اختلاف نہ ہوتا یہی وجہ ہے کہ شیعون مین کوئی اختلاف ہے نہ کوئی افتراق تمامی مومنین ہاتھ کھولکر نماز پڑہتے ہین جو سنت رسول اللہ ہے ۔

مصالح قبض و بسط ید اگر اس بیان شافی سے کہ اگر یہ لوگ عامل سنت رسول ہوتے تو یہ اختلاف نہوتا تشفی نہو تو مزید تسکین کے لئے ان فواید و مصالح پر نظر کیجئے جو حضرات اہلسنت نے اپنی موشگافی سے یہان تحریر نکالی ہین ۔ علامہ عبد الوہاب شعرانی میزان کبری مین لکھتے ہین صفحہ ۱۲۵ جلد اول مطبوعہ مصر

ومن ذلك اتفاق الائمة على استحباب وضع اليمين على الشمال في القيام وما قام مقامه مع قول مالك في اشهر روايته انه يرسل يديه ارسالا ومع قول الاوزاعي انه يخير فالاول مشدد والثاني وما بعده مخفف وان تفاوت التخفيف ووجه الاول ان صورة فقو

یعنی اسی قبیل سے ہے اتفاق ائمہ اربعہ اسپر کہ نماز مین داہنا ہاتھ بائین پر رکہنا چاہیئے یا جو اسکے قایم مقام ہو ۔ حالانکہ قول مالک مشہور ترین روایات مین یہ ہے کہ وہ دونو ہاتھ اپنے کھولتے تھے نماز مین پوری طور سے ۔ اور قول اوزاعی یہ ہے کہ آدمی کو اختیار ہے چاہے کھولے یا باندہے ۔

پس پہلا قول (باندہنے کا) مشدد ہے

العبد بين يدى سيده
وهو خاص بالاكابر من العلماء
الاولياء بخلاف الاصاغر
فان الاولى لهم ارخاء اليدين
كما قال به مالك رحمه الله
وايضاح ذلك ان وضع
اليمين على اليسار يحتاج
فى مراعاته الى صرف الذهن
اليه فيخرج بذلك كمال
الاقبال على مناجاة الله
عزوجل التى هى روح الصلاة
وحقيقتها بخلاف ارخائهما
بجنبيه ثم اختلفوا فى محل
وضع اليدين فقال ابو حنيفة
تحت السرة وقال مالك
والشافعى تحت صدره
فوق سرته وعن احمد روايتان
اشهرهما كمذهب ابى حنيفة
واختارها الخرقى ووجه

(یعنی سختی کرنے والا) اور دوسرا
مخفف ہے تخفیف کرنے والا اگرچہ
درجہ تخفیف مین تفاوت ہے۔
پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ عبد
کی صورت سامنے اپنے آقا کے یہی
ہونی چاہئے۔ اور یہ خاص ہے
اکابر علما اور اولیا کے ساتھ بخلاف
اصاغر (چھوٹے درجہ کے لوگ) کہ
اونکے لئے یہی اولی ہے کہ ارخاء
کرین (ہاتھ کھولے رہتے ہین) جیسا
مذہب مالک ہے توضیح اسکی یہ ہے
کہ دائین ہاتھ کا رکھنا بائین پر
اسکا محتاج ہے کہ ذہن (دل) بٹا ہے
جس سے کمال اقبال یعنی توجہ
مین کمی آجائیگی۔ حالانکہ یہی روح
نماز ہے اور حقیقت صلاۃ (یعنی
ہاتھ باندھنے سے خضوع وخشوع
مین کمی ہوتی ہے) بخلاف ہاتھ
کھولنے کے دونو طرف رکھا اومین

الاول خفة كونهما تحت السرة
على المصلي بخلاف وضعهما
تحت الصدر فانه يحتاج
الى مراعاتهما لثقل اليدين
وتدليهما اذا طال الوقوف
فرجع الامر الى مرتبتي الميزان
فلذلك كان استحباب
وضع اليدين تحت الصدر
خاصا بالاكابر الذين
يقدرون على مراعاة شيئين
معا في ان واحد دون
الاصاغر وسمعت سيدي
عليا الخواص رحمه الله يقول
وجه قول من قال بعدم
استحباب وضع اليدين
تحت الصدر مع ورود ذلك
من فعل الشارع كون مراعاة
المصلي دوامهما تحت الصدر
يشغله غالبا عن مراعاة

خضوع میں کمی نہ ہوگی)
پھر آئمہ میں اختلاف ہے کہ دونو
ہاتھ کہاں رکھے جائیں - ابوحنیفہ
تو تحت السرہ کہتے ہیں (زیر ناف)
اور مالک وشافعی کہتے ہیں تحت
الصدر فوق السرہ (سینہ کے
نیچے ناف کے اوپر) احمد سے دو
روایت ہے مشہور وہی ہے جو
موافق ابوحنیفہ ہے - اسیکو خرقی
نے اختیار کیا ہے پہلے (زیر ناف)
کی یہ وجہ ہے کہ اگر وہاں رکھینگے
تو نماز پڑھنے والے پر کوئی ثقل -
(بوجھ) نہوگا - بخلاف اسکے کہ اگر
سینہ کے نیچے رکھینگے - تو وہ اسکا
محتاج ہوگا کہ ہر وقت اوسکا
خیال رکھا جائے - کیونکہ ہاتھ
خود ثقیل ہے - اور فطرۃ وہ
نیچے لٹکا جاہتا ہے جب دیر تک
قیام رہے -

كمال الاقبال على مناجاة
الله عز وجل فكان ارسالهما
او جعلهما تحت السرة
مع كمال الاقبال على المناجاة
والحضور مع الله اولى
من مراعاة هيئة من الهيئات
فمن عرف من نفسه العجز
عن مراعاة كون يديه تحت
صدره في الصلوة الا مع
الغفلة عن كمال الاقبال
على الله عز وجل فارسال
يديه بجنبيه اولى وبه
صرح الشافعي في الامثال
وان ارسلهما ولم يعبث
بهما فلا بأس ومن عرف
من نفسه القدرة على الجمع
بين الشيئين معا في آن
واحد كان وضع يديه
تحت صدره اولى بذلك

تو اب میزان کے دونو طرف
برابر ہو گیا پلڑا - اسلیے مستحب ہوا
ہاتھ رکھنا سینہ کے نیچے - اکابر علما
اولیاء کے لیئے جو قادر ہین دونو
امر کی مراعات کے (یعنی حضور
کا بھی خیال رکھیں - اور ہاتھونکو
سینہ کے نیچے بھی سنبھالین) نہ اصاغر
(یعنی کم درجہ والونکے لئے یہ حکم نہین
ہے)

مینے اپنے سید علی خواص رحمہ سے
سنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ جو لوگ
اسکے قائل ہین کہ سینہ کے نیچے
رکھنا چاہیئے حالانکہ یہ فعل شارع سے
ثابت ہے (باوصف ثبوت مخالفت
کمال تعجب خیز ہے) تو اسکی یہ وجہ
ہے کہ سینہ پر ہاتھ رکھنے سے حضور
قلب پورا نہین حاصل ہوتا حالانکہ
اصل نماز ہی حضور قلب ہے - اسی
لئے ہاتھون کا کھولنا اولی ہے

تحصیل الجمع بین اقوال الائمہ رضی اللہ عنہم انتہے۔ ص ۱۲۵

اور اسکی تصریح کی ہے شافعی نے کتاب ام میں کہ وہ اگر ہاتھوں کو کھولدے دونو بغل کی طرف اور بازی نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اور جو شخص اپنی نفس سے جانے کہ حضور قلب اور ہاتھونکے رکھنے کو دونو کو ساتھ ہی سنبھال سکتا ہے تو اوسکے لئے سینہ کے نیچے ہاتھ رکھنا بہتر ہے اور اس طریقہ سے ائمہ اربعہ کے اقوال میں جمع حاصل ہوگا۔ تمام ہوا ترجمہ

یہ ہیں توجیہیں اور اسکا نام ہے موشگافی کس کس طرح بال کی کھال نکالی جاتی ہے۔ مگر نہ اسمیں کوئی قول رسول ہے نہ قول خدا بلکہ ائمہ اربعہ کی جدت پسندی ہے اور شعرانی کی موشگافی جسکا خلاصہ یہ ہے۔

کہ اصل مقصود بلکہ نماز کی روح کیا ہے حضور قلب۔ وہ اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ جب ہاتھ کھلے رہیں کیونکہ اسوقت میں اوسکا دل و دماغ صرف خدا کی طرف متوجہ ہوگا۔ بخلاف اسکے کہ اگر ناف پر رکھے یا سینہ پر تو ہر حال میں حضور قلب میں فرق آئیگا اور پوری طور سے حضور قلب نہوگا۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ بہتر کیا ہے ہاتھ کا کھولنا جس سے حضور قلب پوری طور سے ہو سکتا ہے کہ ہاتھ باندھنا جس سے بہر طور حضور قلب میں کمی ہوگی

اب یہاں تعصب مذہبی کو چھوڑ دیجئے اور پہلے کسی شیعہ کی مسجد میں جاکر اوسکے پیشنماز کو دیکھئے (کیونکہ عوام کا اعتبار نہیں) پھر اوسکے بعد آپ پہلے حنفیوں کی مسجد میں جائیے۔ پھر اہلحدیث کی مسجد میں۔ اور غور کی نگاہ سے دونوں کے افعال نماز پر نظر کیجئے تو صاف معلوم ہوگا شیعہ نماز کو ایک

عبادت سمجھکر پڑھ رہا ہے۔ اور سنی اپنی نوکری بجا لا رہا ہے کہ جلد کام کر کے بھاگو۔

ہان شعرانی نے جو حنفی المذہب ہین ائمہ اربعہ کے اختلاف سے مسلمانونکو تین کلاس پر منقسم کیا ہے۔ ایک (لوور کلاس) ادنی (اصاغر) دوسرے انٹرمیڈیٹ (اکابر) تیسرے (فرسٹ کلاس) اونکے بھی بزرگ۔ اصاغر یعنی پست درجہ والونکے لئے تو اسکا فتوی دیا کہ وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھین کیونکہ اسمین حضور قلب زیادہ ہے اور یہی فتوی امام مالکؒ کا ہے جسکے مطلب یہ ہوئے کہ امام مالک کا درجہ پست ہے وہ ادنی درجہ کے لوگونکے امام ہین حالانکہ بالاتفاق اہلسنت اونکو سب معظم و محترم جانتے ہین۔

دوسرے درجہ کے امام اعظم ہین جو زیر ناف ہاتھ رکھنے کو کہتے ہین کیونکہ اسمین پھر بھی آسانی ہے اور حضور قلب بہ نسبت پہلے کے کم۔

تیسرے یعنی فرسٹ کلاس کے امام شافعی ہین جسمین زیادہ دقت ہے کہ زیر صدر ہاتھ رہے۔ اور حضور قلب بالکل نہو۔

تو اس تقسیم کا ماحصل یہ ہوا کہ جسقدر حضور قلب کم ہوگا اوسی درجہ اوسکی عزت ہے کیونکہ جب سینہ پر ہاتھ رکھنے سے حضور قلب کی کمی کا ہونا لازم ہے۔ تو پھر اوسکی عظمت کے قائل ہونے کا یہی نتیجہ ہے کہ جہانتک حضور قلب کم ہو وہ بہتر ہے۔

اسکی وجہ تو آپکو معلوم ہوگی کہ اسکی ابتدا کس سے ہے شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا مین لکھتے ہین ابو بکر عن عروہ قال عمر انی لاحسب

جزیہ البحرین وانا فی الصلوٰۃ ۔ ابو بکر عن عثمان النہدی قال عمر لاجہّز جیوشی وانا فی الصلوٰۃ ص ۹۳

یعنی ابوبکر عروہ سے ناقل ہین کہ کہا عمر نے تحقیق مین حساب کرتا ہون جزیہ شہر بحرین کا نماز مین اور ابو عثمان نہدی سے روایت ہے کہ کہا عمر نے مین تو اپنا لشکر طیار کرکے روانہ کردیتا ہون حالانکہ مین نماز پڑہ رہا ہون۔

تو اب معلوم ہوا کہ اصلی اسکی وجہ کہ حضور قلب والی نماز پست درجہ کی ہے اسیوجہ سے ہے کہ خلیفہ دوم کے دستور العمل کے خلاف ہے۔ کیونکہ اونکی نماز تو صرف اسلام کی پردہ داری کے لئے تہی۔ مگر افسوس کہ شاہ ولی اللہ صاحب کو اس مسئلہ خاص مین کوئی روایت نہ ملی کہ آخر حضرت عمر نماز کیونکر پڑہتے تھے ہاتھ کہول کر یا باندہ کر مگر جب یہ مسلم ہوچکا کہ ہاتھ باندہنے سے حضور قلب مین فرق آتا ہے تو قرین قیاس یہی ہے کہ وہ ہاتھ کہول کر نماز پڑہتے ہون کیونکہ جزیہ وغیرہ کا حساب لشکر کی روانگی بہی تو توجہ قلب پر منحصر ہے پھر کیونکر ممکن تھا کہ وہ ہاتھ باندہ کر نماز پڑہتے ہین۔ اور آیندہ معلوم ہوگا کہ تمامی اہل مدینہ کا یہی عمل تھا کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑہین۔

یہان اگر نماز جناب امیر پر بہی ایک نظر ڈال لیجئے تو معلوم ہو کہ اوسکی کیا حالت تھی کیونکہ تمام عالم کو معلوم ہے حضرت اس حضور قلب سے نماز پڑہتے تھے کہ پائے مبارک سے تیر نکال لیا جاتا تو آپکو اوسکے درد والم کا احساس نہوتا حالانکہ قبل نماز اوسکا نکالنا نہایت موذی اور تکلیف دہ تھا کہ تحمل نہ سکتا تھا۔

بہرحال ان تحقیقات سے اسقدر تو یقیناً معلوم ہوا کہ حضورِ قلب صرف اوسی صورت مین حاصل ہوسکتا ہے جب ہاتھ کھلے رہین۔ اور ہاتھ باندھنے مین وہ بات کسی طور سے نہین حاصل ہوسکتی۔ تو اب جنلوگونکو نماز بحضورِ قلب پڑھنا ہو اونکو یہی لازم ہے۔

ہان یہ امر دریافت طلب ہے کہ یہ تقسیم کس قاعدہ سے کی گئی ہے کیا خدا کا کوئی حکم ہے یا رسول کا کہ تم آدمیونکو تین حصہ پر تقسیم کرو ایک اکابر۔ دوسرے اوسط تیسرے اصاغر اور تینون کے لئے نماز کی ہیئت کا حکم جداگانہ ہے۔ اگر یہ تقسیم شارع علیہ السلام سے ثابت ہوجائے تو بہتر و الا آیہ فمن یشاقق الرسول پر خیال کرنا چاہیے۔

قرآن سے استدلال ہاتھ باندھنے پر

اب اسپر اور ترقی کیجئے تو ایک ایسا زعفران زار کشمیر نظر آئے کہ سارے نظارونکو آپ بھول جائیں کیونکہ یہی علامہ شعرانی اپنی شیخ اکبر محی الدین عربی کا ایسا لطیفہ نقل کرتے ہین جس سے سننے والونکے پیٹ مین بل پڑجائے کیونکہ اونہونے قرآن سے بلکہ خود سورہ الحمد للہ سے اسکو ثابت کردیا ہے کہ نماز مین ہاتھ باندھنا چاہیے دیکھئے علامہ شعرانی کبریت احمر فی علوم الشیخ الاکبر مین لکھتے ہین ص ۵ برحاشیہ الیواقیت واجواہر۔

ذکر الشیخ فی الباب التاسع و الستین وثلثمائة ما نصه اعلموا ان من آداب الوقوف	یعنی شیخ محی الدین نے فتوحات مکیہ کے باب ۳۶۹ مین لکھا ہے کہ اداب وقوف سے سامنے خداوند عزوجل کے تذلل

بين يدي الله تعالى في
الصلوة الذل والمسكنة و
التكشف شغل العبد الذليل
في حال مناجاة سيده وقد
وردت السنة بذلك وهو
عندي احسن من اسبال
اليدين قال وايضاح ما قلنا
ان الله تعالى قسم الصلوة
بينه وبين عبده نصفين فجزء
منها يخلص لله من اولها
الى قوله مالك يوم الدين
فهذا بمنزلة اليد اليمين اشارة
للقوة الالهية قال تعالى
لاخذنا منه باليمين والجزء
الاخر يخلص للعبد من قوله
اهدنا الى اخر السورة فهذا
بمنزلة اليسرى الذي هو
الجانب الاضعف الاصغر
قال ولما كان جزء منها بين

وسکنت ہے۔ اور ہاتھ باندھنا شغل
عبد ذلیل ہے وقت مناجاۃ خداوند
عزوجل۔ اور اسیکے مطابق سنت
بھی وارد ہے۔ اور یہ میرے نزدیک
ہاتھ کھولنے سے افضل ہے توضیح
اسکی یہ ہے کہ خدا نے نماز کو دو حصہ پر
تقسیم کیا ہے ایک حصہ اپنے لئے اور
ایک حصہ بندہ کے لئے۔ پس جو جزو
کہ خالص ہے خدا کے لئے اوسکی ابتدا
بسم اللہ سے ہے مالک یوم الدین تک
یہ بمنزلہ دست راست کے ہے جسمیں اشارہ
ہے طرف قوت الٰہیہ کے کہ خدا فرماتا ہے
واخذناہ بالیمین۔

اور دوسرا جزو جو خاص بندہ کا حصہ ہے
وہ شروع ہوتا ہے اھدنا الصراط
المستقیم سے آخر سورہ تک پس
یہ بمنزلہ دست چپ ہے جو جانب ضعیف
وصغیر ہے۔

اور چونکہ ایک جز اس سورہ کا مشترک

الله وبين عبده وهو قوله
اياك نعبد واياك نستعين
جمع العبد بين يدي في الصلوٰة
مجامع المناجاة فكملت صفة
العبد بجمعه بين يديه ولو
اسبل يديه لم تكمل صفته
فانظر الى هذه الحكمة ما
اجلاها الذي عينين انتهى
ثم لا يخفى انه اذا كان جعل
اليدين على الصدر تشغل
العبد عن مناجاة ربه فارسالهما
اولى فالتحقيق ان جعل اليدين
على الصدر للكملاء الذين
لا يشغلهم ذلك عن الله تعالى
وان ارسالهما اولى لغير الكمال
اذ مراعاة وضعهما على الصدر
يشغل عن كمال التوجه فليتامل
والله اعلم ص ۵ برحاشيه
اليواقيت والجواهر

ہے درمیان خدا اور بندہ کے کہ وہ
آیہ ایاک نعبد وایاک نستعین ہے
لہذا بندہ کے جمع کرنیسے دونون
ہاتہون کے سامنے خداوند عالم کے
کامل ہوتی ہے صفت عبودیت۔
اور دیکہو یہ کیسی حکمت ہے جو واضح
ہے صاحب معرفت کے لئے۔
خود شعرانی بعد نقل اس عبارت کے
لکہتے ہین کہ جب ہاتہونکا رکہنا سینہ پر
۔ انسان کو باز رکہتا ہے مناجات
خدا سے۔ تو ہاتہونکا کہولنا اولی ہے
پس تحقیق یہ ہے کہ ہاتھونکا رکہنا سینہ
پر اون کاملون کے لئے ہے جنہین
اسطرح کے ہاتہ رکہنے سے مناجاۃ
خدا مین فرق نہ آتا ہو۔ اور ہاتہونکا
کہولنا اولی ہے۔ غیر صاحب
کے سئے کیونکہ ہاتہون کے رکہنے
کا خیال باز رکہتا ہے مناجاۃ
اور کمال توجہ سے۔

اس کا نام ہے معرفت اور اس کا نام ہے تحقیق کہ کس خوبصورتی سے ہاتھ باندھنے کو قرآن سے نہیں بلکہ سورۂ الحمد سے ثابت کر دیا کیونکہ سورہ الحمد کا نصف حصہ خدا کے لئے ہے وہ دایاں ہاتھ ہوا۔ اور نصف حصہ بندونکے لئے وہ بایاں ہاتھ ہوا۔ اور چونکہ ایک آیہ مین خدا اور بندہ دونو شریک ہین لہذا دونو ہاتھ باندھکر کھڑا ہونا چاہیئے۔

کیا کہنا ہے اس تحقیق کا اور کیا کہنا ہے اس عرفان کا کہ مارین سر پھوٹے گھٹنا اسی کا نام ہے۔

لطیفہ شب قدر

یہان بے اختیار وہ لطیفہ یاد پڑتا ہے کہ خلیفہ دوم کے سامنے لیلۃ القدر کی تحقیقات ہو رہی تھی کہ کون سی شب ماہ مبارک رمضان مین لیلۃ القدر ہے۔ یہ معمی کسی طرح حل نہوتا تھا لہذا خلیفہ دوم نے حضرت ابن عباس سے فرمایش کی غوطہ لگا کر لیلۃ القدر کا پتہ لگاؤ۔ ابن عباس نے چٹکیوں مین حل کر دیا کہ لیلۃ القدر مین نو حرف ہے۔ اور تین مرتبہ اسکا ذکر سورۃ القدر مین آیا ہے لہذا ۹ کو تین مین ضرب دو تو ۲۷ حاصل ہوتے ہین۔ پس یہی شب قدر ہے اور اسی پر تمامی اہلسنت کا عمل ہے کہ ۲۷ کو شب قدر مناتے ہین۔

جس مذہب کا یہ استدلال ہو اور اسطرح مذہب قایم کیا جاتا ہو پھر اوس مذہب کا کیا ٹھکانا اور کیا حساب کہ جدہر کا جوڑ چاہا جدہر لگا دیا اور ایک مسئلہ گڑھ لیا۔

اگر آپکو میرا کلام باور نہ آئے تو تحقیقات اہلسنت ملاحظہ فرمائین کہ

وہ کن لفظوں سے اس تحقیقات کو لکھتے ہیں اور پھر شرماتے ہیں ۔

تفسیر کبیر میں ہے صفحہ ۳۴۶ جلد ۸ ۔

وثالثها نقل عن ابن عباس انه قال ليلة القدر تسعة احرف وهو مذكور ثلث مرات فيكون السابعة والعشرين

اور فتح الباری میں ہے ۔ وقد استنبط بعضهم ذلك من جهة اخرى فقال ليلة القدر تسعة احرف اعيدت في السورة ثلث مرات فذلك سبع وعشرون ص ۲۲۳ جلد ۲

ترجمہ تفسیر کبیر یعنی ابن عباس سے روایت ہے کہ اونھوں نے کہا لیلۃ القدر میں نو حرف ہے اور تین مرتبہ سورہ میں آیا ہے لہذا ۲۷ تاریخ شب قدر ہے ۔

اور فتح الباری میں ہے کہ بعض لوگوں نے دوسری طرح سے استنباط کیا ہے کہ لیلۃ القدر کے نو حرف ہیں اور سورہ میں تین مرتبہ اوسکا اعادہ کیا گیا لہذا ۲۷ شب قدر ہے ۔

دوسرا لطیفہ یہ ہے کہ اوسی فتح الباری میں ہے وزعم ابن قدامة ان ابن عباس استنبط ذلك من عدد كلمات السورة وقد وافق قوله فيها هي سابع كلمة بعد العشرين وهذا نقله ابن حزم عن بعض المالكية وبالغ في انكاره نقله ابن عطية في تفسيره وقال انه من ملح التفاسير وليس من متين العلم ص ۲۲۳ جلد ۲

یعنی ابن قدامہ نے یہ گمان کیا ہے کہ ابن عباس نے ۲۷ تاریخ کا استنباط کیا ہے عدد کلمات سورہ سے تو لفظ ھی ستائیسوان کلمہ پڑا لہذا معلوم ہوا کہ یہی تاریخ شب قدر ہے۔ اس کو نقل کیا ہے ابن حزم نے بعض مالکیہ سے اور پھر بہت مبالغہ کیا ہے اسکے رد مین اور نقل کیا ابن عطیہ نے اپنی تفسیر مین اور کہا یہ ملح تفاسیر سے ہے نہ متین علم سے۔

اس تحریر سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ مذہب اہلسنت کا مدار کن اصول پر ہے کہ نہ قول خدا سے کام ہے نہ حدیث رسولؐ سے بلکہ توہمات وخیالات پر اونکی بنا ہو گئی ہے۔ پنجے کی حالت تو آپ دیکھ ہی رہے ہین اور شب قدر کا حال معلوم ہی ہوا کہ یہین ۹ کو تین مین ضرب دیتے ہین کہین کلمات سورہ کو گنتے ہین حالانکہ خود اونکے یہان باتفاق اکثر اہل علم ثابت ہے کہ یہی ۲۳ رمضان شب قدر ہے مگر شیعوں سے مخالفت کرکے ۲۷ بنایا گیا

اسی پر ہاتھ باندھنے کو نماز مین قیاس فرمایئے کہ محض اس سے کہ شیعہ مطابق سنت رسولؐ ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے ہین اسلئے اونہوں نے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا شروع کیا۔

جیسا کہ نماز مین بسم اللہ الرحمن الرحیم کا بآواز بلند کہنا۔ اسلئے ترک کیا گیا کہ شیعیان مصر جو خلیفہ تھے بآواز بلند کہا کرتے ہین جیسا کہ تاریخ کامل مین ہے

فاما ترك الجهر بالبسملة فی جوامع بغداد لان العلويين اصحاب مصر كانوا يجهرون بها فترك ذلك مخالفة لهم لا اتباعا لمذهب

احمد الامام ص ۱۱۳ جلد ۱

یعنی بسم اللہ کا بہ آواز بلند کہنا نماز مین بغداد کی مسجدونمین اس وجہ سے موقوف کیا گیا کہ خلفائے علویین جو مصر مین تھے بہ آواز بلند کہا کرتے تھے اونکی مخالفت کے خیال سے موقوف کر دیا گیا نہ اسوجہ سے کہ یہ مذہب امام احمد بن حنبل تھا۔

جہر بسم اللہ خلفائے علویین کی خلافت مصر مین سنہ ۲۹۶ سے قایم ہوئی پہلے اودھر زیادہ توجہ نہ ہوئی۔ مگر بعد کو بہت کوشش کی گئی کہ وہ مٹادی جائے۔ مگر چندروزون مین اوسکی قوت اتنی بڑھ گئی کہ خود بغداد مین اونکے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ مگر آخر مین دونو خلافتین مٹ گئین۔ لہذا اس تحریر سے معلوم ہوا کہ ایک عرصہ تک بسم اللہ کا بہ آواز بلند کہنا جاری رہا۔

اس ترک بسم اللہ کی ابتدا اگرچہ شیخین سے ہوئی مگر بعد اونکے جناب امیر المومنین ؑ کی بدولت یہ سنت رائج ہو چکی تھی کہ معویہ نے پھر سنت شیخین کو عداوت جناب امیرؑ سے رائج کرنا چاہا دراسات اللبیب مین ہے ومنها ترك التسمية في الصلوة جهرا لما قدم المدينة المطهرة انكرت عليه ذلك المهاجرون والانصار وقالوا اسرقت التسمية يا معوية ص ۶۷

یعنی معویہ کی بدعتوں سے ہے کہ جب مدینہ آیا تو اوسنے نماز مین بسم اللہ کو بہ آواز بلند کہنا ترک کیا جسپر ہر طرف سے مہاجرین و انصار نے غل مچایا کہ بسم اللہ کو

جہر الیا۔ اے معویہ جس سے معلوم ہوا کہ خلافت علویہ مین مصر کے قبل بھی بسم اللہ کا بہ آواز بلند کہنا جاری تھا معویہ نے جبراً چاہا کہ موقوف کرے مگر نہ ہو سکا

یہ مسئلہ قدیم الایام سے اختلافی ہے اور مذہب حق یہی ہے کہ ہر نماز مین بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بہ آواز بلند کہنا چاہیے چنانچہ رسالہ البسملۃ مین پوری تحقیق اسکی کر دی گئی ہے۔ یہان بمناسبت مقام میزان کبری شعرانی کی عبارت کافی ہے لکھتے ہین صفحہ ۱۲۵ جلد اول۔

ومن ذلک قول الامام ابی حنیفۃ ومالک ان البسملۃ لیست من الفاتحۃ فلا تجب مع قول الشافعی واحمد انها منها فتجب وکذلک القول فی الجهر بها فان مذهب الشافعی الجهر بها ومذهب ابی حنیفۃ الاسرار بها وکذلک احمد وقال مالک یستحب ترکها والافتتاح بالحمد للہ رب العلمین وقال ابن ابی لیلی یتخیر وقال النخعی الجهر بها بدعۃ فرجع الامر فی المسئلتین الی مرتبتی المیزان ووجہ الاول فی المسئلۃ الاولی والثانیۃ الاتباع۔

یعنی انہین اختلافات سے مسئلہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے کہ ابو حنیفہ مالک کہتے ہین۔ وہ جزو سورۃ الحمد نہین ہے لہذا واجب نہین۔ قول شافعی و احمد یہ ہی کہ جزو سورہ ہے لہذا واجب ہے اب اسمین اختلاف ہی کہ جہر کرنا چاہیے شافعی قائل جہر ہین کہ بلند آواز سے کہو۔ مذہب ابو حنیفہ یہ ہے (کہ اگرچہ واجب نہین ہے مگر) کہو تو آہستہ۔ یہی مذہب احمد ہے۔ مالک قائل ہین کہ ترک بسم اللہ مستحب ہے الحمد سے شروع کرنا چاہیے۔ ابن ابی لیلی قائل تخییر ہین۔ چاہے کہے یا نہ کہے۔ نخعی قائل

فقد ورد انه صلى الله عليه وسلم كان يقرءها مع الفاتحة تارةً ويتركها تارةً اخرى فاخذ كل مجتهد بما بلغه من احدى الحالتين وفي ذلك تشريع للاكابر والاصاغر من اهل الكشف والحجاب فمن رفع حجابه حين دخل في الصلوة وكان مشاهداً للحق تعالى بقلبه فلا يناسبه ذكر الاسم الذي هو شغل اهل الحجاب ومن لم يكشف حجابه فالمناسب له ذكر الاسم الشريف ليتذكر به صاحب الاسم كما ورد في بعض الهواتف الربانية اذا لم ترني فالزم اسمي فاخذنا من هذا ان من راٰه بقلبه لا يؤمر بذكر اسمه ومن هنا

ہین کہ جہر کرنا بدعت ہے تو اب یہ مسئلہ میزان مین دو امر کیطرف راجع ہے ۔ وجہ اول دونو مسئلہ مین اتباع ہے کیونکہ وارد ہوا ہے کہ حضرت کبھی پڑھتے تھے کبھی نہ پڑھتے تھے جس مجتہد کو جیسی روایت پہونچی اوسپر عمل کیا (غرض رسول اللہ نے خود اختلاف ڈالا)

اس اختلاف سے اکابر و اصاغر کے لئے دو حکم علحدہ ہوئے جسکا حجاب مرتفع ہوا مرتبہ کشف مین پہونچا اور خدا کے مشاہدہ سے فائز ہوا اوسکو تو مناسب نہین کہ خدا کا نام لے کیونکہ حضور مین حاضر ہے ۔ اور جسکو یہ درجہ نہین حاصل ہوا اوسکو کہنا چاہیے ۔ اسکی طرف اس شعر مین اشارہ کیا گیا ہے

ع خدا کے یاد کرنیسے گناہ ٹرتی

الغز بعضهم ذلك فى شعره فقال ؎

بذكر الله تزداد الذنوب
وتنطمس البصائر والقلوب
وذكر الله افضل كل شئ
وشمس الذات ليس لها مغيب

ويؤيد ذلك قول الشبلى رحمه الله حين قالوا له متى تستريح فقال اذا لم ار الله تعالى ذاكرا اى لان الذكر لا يكون الا فى حال الحجاب عن شهود المذكور فما تمنى الشبلى الا حضرة الشهود لانها هى التى لا يرى الله تعالى فيها ذاكرا بلسانه اكتفاءً بمشاهدته تعالى ومناجاته بالقلب وحضرة الحق تعالى بهت وخرس لشدة ما يطرق اليها من الهيبة والتجلى

ہین۔ اور آنکھ اور دل اندھے ہو جاتے ہین۔ حالانکہ ذکر خدا ہر شی سے افضل ہے۔ اور شمس ذات کبھی غائب نہین ہوتا۔ اسیکا موید ہے قول شبلی کہ کسینے پوچھا تمکو کب آرام ملتا ہے۔ کہا جب دیکھتے ہین کہ خدا کا کوئی یاد کرنیوالا نہین ہے۔ کیونکہ ذکر ہمیشہ حالت غیبت مین ہوتا ہے لہذا شبلی نے خواہش کی کہ ہمیشہ شہود رہے۔ کیونکہ اوسیوقت خدا کے یاد کرنیوالے کو نہین دیکھتے۔

مینے اپنے بہائی افضل الدین کو سنا کہتے تھے کہ ذکر خدا زبان سے اصاغر و اکابر سبکے لئے مشروع ہے۔ کیونکہ حجاب عظمت کسیکے لئے کبھی نہین اٹھتا مگر انبیا کے لئے لہذا حجاب کا ہونا ضروری ہے مگر وہ دقیق ہے یہ کلام نہایت نفیس ہے جو کسی کتاب مین نہین ملتا۔ سید علی خواص کہتے

قال تعالی وخشعت الاصوات
للرحمن فلا تسمع الا همسا
وسمعت اخی افضل الدین
رحمه الله یقول الذکر باللسان
مشروع للاکابر والاصاغر
لان حجاب العظمة لا یرتفع
لاحد الا للانبیاء فلا بد من
حجاب لکنه یدق فقط انتهی
وهو کلام نفیس لا یوجد فی
کتاب وسمعت سیدی علیا
الخواص رحمه الله یقول
ذکر الله تعالی علی نوعین ذکر
لسان وذکر حضور کما ان
ترک الذکر کذلک علی نوعین
ترک من حیث الغفلة وترک
من حیث الحضور والدهشة
فالاول من الذکرین مفضول
والثانی فاضل والاول من الترکین
مذموم والثانی محمود وهو

تھے کہ ذکر خدا دو قسم پر ہے ذکر لسان
ذکر حضور جیسا کہ ترک ذکر بھی دو
قسم پر ہے ایک ترک غفلت دوسرے
ترک حضور و دہشت۔ پہلا ذکر مفضول
ہے اور دوسرا فاضل۔ اور دونو
ترک سے پہلا ترک غفلت مذموم ہے
اور دوسرا محمود۔ اسی پر قول شبلی
محمول ہے۔

سید علی مرصفی کہتے تھے کہ آنحضرت
اسوجہ سے کبھی بسم اللہ کہتے تھے اور
کبھی نہین کہتے تھے کہ امت کیلئے
جنمیں ضعیف و قوی سب داخل ہین
ایک شریعت قائم ہو۔ ورنہ حضرت
تو ہر وقت مرتبہ شہود مین رہتے تھے
سید علی خواص کہتے ہین خدانے
اسلئے اکابر کو حکم دیا جہر بالقراءۃ کا
(بہ آواز بلند پڑھنا) کہ اگر ایسا نہ کرتا
تو پھر کسیکو جرات نہوتی کہ کوئی
کلمہ کہہ سکے کیونکہ ہیبت خداوند عالم

الذی حملنا علیہ قول الشبلی آنفا وسمعت سیدی علیا المرصفی رحمۃ اللہ تعالی یقول انما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یترک البسملۃ فی بعض الاوقات ویذکرھا فی بعض الاوقات تشریعا لضعفاء امتہ واقویائھم والا فھو صلی اللہ علیہ وسلم حاضر مع ربہ علی الدوام لانہ ابن الحضرۃ واخو الحضرۃ وامام الحضرۃ۔ وسمعت سیدی علیا الخواص رحمۃ اللہ تعالی یقول لولا ان اللہ تعالی امر الاکابر بالجہر بالقراءۃ والاذکار اذا وقفوا بین یدیہ فی الصلاۃ ما تجرّأ احد منہم ان ینطق بکلمۃ لھول الھیبۃ لاھل تلک الحضرۃ ولکن ربما تجلی

اس قسم کے لوگونکو ہروقت محیط رہتی ہے۔ مگر بعض اوقات اس طرح کی تجلی ہوتی ہے جو طاقت بشری کے مافوق ہے جس سے نہ تکبیر کہہ سکتا ہے نہ جہر کر سکتا ہے۔ تو یہ اس قسم سے ہے کہ حضرت فرماتے مجھے اسوجہ سے نسیان ہو جاتا ہے کہ لوگ میری پیروی کریں

تمام ہوا ترجمہ

میری غرض اس مسئلہ کی تحقیقات یہاں نہیں ہے بلکہ یہ دکھانا ہے کہ شریعت رسول اللہ کسطرح تباہ کی گئی ہے۔ اور کسطرح کا اختلاف ڈالا گیا ہے جو قیامت تک مٹنے والا نہیں حالانکہ بقول فخر رازی۔ یہ امر متواتر ثابت ہے کہ رسول اللہ بہ آواز بلند بسم اللہ پڑھا کرتے۔ پھر یہ لوگ کیونکر اسکے مدعی ہو سکتے ہیں کہ ہم سنت رسول کے عامل ہیں۔

له الحق تعالى فى بعض الاوقات بما هو فوق طاقته فيعجز عن الجهر بالبسملة او بالتكبير فيكون ذلك من باب قوله صلى الله عليه وسلم انما انسى ليستن بى فافهم۔

سب سے زیادہ خرابی ان صوفیون نے ڈالی ہے جو اولیار کرام [illegible] ہین اور اسطرح کی خرابی شریعت مین ڈالتے ہین جسکی کوئی انتہا نہین۔ شریعت کو دو حصہ پر منقسم کر رہے ہین ایک اولیا کیلئے دوسرے معمولی آدمیونکے

لہ۔ اور درجہ رسول اوسمین معمولی انسان کے برابر قرار دیتے ہین۔

رجوع اصل مسئلہ کی طرف

بہرحال اصل مسئلہ کے متعلق اسقدر تو یقینی معلوم ہوا کہ حضور قلب کیلئے یہی مناسب ہے کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھی جائے۔ اور ہاتھ باندھکر نماز پڑھنے مین حضور قلب نہین ہوتا۔ تو ایسا امر کرنا کب جائز ہوگا جس سے اصلی مقصد نماز فوت ہو۔

جملہ اولی دلائل مسائل مین

اب ہم یہان اون دلائل شرعیہ کو لکھتے ہین جس سے اسکا اثبات کیا جاتا ہے کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھنا چاہئے اور یہی سنت رسول اللہ ہے۔

اہلسنت کے یہان دلائل شرعی چار ہین۔ کتاب۔ سنت۔ اجماع قیاس مگر اہلحدیث قیاس سے منکر ہین۔ اور اجماع مین بھی کلام ہے۔ مگر باایں ہمہ اوسکے قائل ہین لہذا انہین تینون دلیل سے ہمکو کام لینا پڑیگا۔

کتاب اللہ کے نسبت اہلسنت کا قطعی فیصلہ ہے کہ نماز کی نہ ہیئت اسمین

ذکور ہے نہ ارکان وفرض وسنن بلکہ الانسب کا ماخذ قول یا فعل رسول اللہ ہے۔ مگر یہ سب زبانی جمع خرچ ہے اصل انکے یہان قول یا فعل صحابی ہے۔ حالانکہ زبانی اس سے بھی انکار ہے کہ کہتے ہین قول و فعل صحابی حجت نہین۔ مگر جس مسئلہ مین دیکھا جائے اصل الاصول انکا یہی ہے کہ قول یا فعل صحابی سمجھے مگر تاہم آیہ افنجعل المسلمین کالمجرمین بتا رہا ہے کہ مسلمانون کی شان مثل مجرمون کے نہونا چاہئے۔ اب خود غور کر لیجئے کہ ہاتھ باندھنے مین کیا شان پیدا ہوتی ہے آیا وہ کالمجرمین بنتے ہین یا نہین۔

دوسرے آیہ فاستقم کما امرت ہدایت کرتا ہے استقامت کی۔ اور استقامت ظاہری حالت صلوۃ مین ارسال یدین سے حاصل ہوتا ہے نہ ہاتھ باندھنے سے لہذا ارسال افضل ہے قبض ید سے کیونکہ خداوند عالم کج ہونے کی مذمت کرتا ہے

والذین یبغونہا عوجا

ان آیات سے اگرچہ فقہائے ہاتھ کھولنے پر استدلال نہین کیا ہے۔ لہذا مین بھی اس سے استدلال نہین کرتا مگر اہل فہم کو اسطرف اشارہ کرتا ہون کہ وہ غور کرین

احادیث عمدہ ادلہ فریقین کل احکام شرعیہ مین حدیث ہے کیونکہ احکام قرآن مجمل ہین اور احادیث مین اوسکی تفصیل ہے جس سے فریقین استدلال کرتے ہین اور احکام فقہیہ کو ثابت

کتب احادیث اہلسنت مین نہ کوئی قول رسول اس بارے مین ہے نہ فعل رسول۔ اور جو حدیث کہ حضرت کی طرف منسوب ہے اوسکی حقیقت **دوسرے** جملہ مین دکھائی جائیگی۔ لہذا یہان صرف حدیث

صحابہ پیش کئے جاتے ہین جو عمدہ اصول دین اہلسنت سے ہے کیونکہ قول و فعل صحابہ کے مقابل مین اونکے نزدیک نہ قول خدا قابل اعتبار ہے۔ نہ حدیث رسولؐ مصنف ابن ابی شیبہ مین ہے۔

من كان يرسل يديه في الصلوة حدثنا هشيم عن يونس عن الحسن ومصرة عن ابراهيم انهما كانا يرسلان ايديهما في الصلوة۔ ثنا عفان ثنا يزيد بن ابراهيم سمعت عمرو بن دينار كان ابن الزبير اذا صلى يرسل يديه ثنا ابن علية عن ابن عون عن ابن سيرين انه سئل عن الرجل يمسك يمينه بشماله قال انما فعل ذلك من اجل الدم ثنا عمر بن هرون عن عبد الله بن يزيد قال ما رايت ابن المسيب قابضا يمينه في الصلوة كان يرسلهما ثنا يحيى بن سعيد عن عبد الله بن العيزار قال كنت اطوف مع سعيد بن جبير فرأى رجلا واضعا احدى يديه

(باب) اون لوگون کا بیان جو ہاتھ اپنے کھولتے تھے نماز مین ہشیم یونس سے وہ حسن سے اور مصرہ سے وہ ابراہیم سے روایت کرتے ہین کہ وہ دونو نماز مین ہاتھونکو کھول دیتے تھے۔ عفان یزید بن ابراہیم سے روایت کرتے ہین کہ سُنا مینے عمرو بن دینار کو کہ ابن الزبیر جب نماز پڑھتے تو اپنے دونو ہاتھ کھول دیا کرتے۔ ابن علیہ ابن عون سے ابن سیرین سے روایت کرتے ہین کہ اونسے سوال کیا گیا اس بارہ مین کہ داہنا ہاتھ پکڑین بائین ہاتھ سے تو کہا یہ نہین کیا تھا مگر بسبب خون کے۔ عمر بن ہرون عبد اللہ بن یزید سے روایت کرتے ہین کہ کبھی مینے ابن المسیب کو داہنا ہاتھ پکڑتے ہوئے نہ دیکھا نماز

على الاخرى هذه على هذه او هذه على هذه فذهب ففرق بينهما ثم جاء۔

مین وہ دونو ہاتہہ پہیلا دیتے تھے یحیی بن سعید عبد اللہ بن عزار سے روایت ہے کہ مین ایکدفعہ سعید بن جبیر کے ساتھ طواف کر رہا تھا ایک آدمی کو اونھون نے دیکھا کہ یہہ ہاتہہ اسپر رکھے ہین (داہنا بائین پر) یا یہہ اس ہاتہہ پر (بایان داہنے پر) تو وہ گئی اور دونو ہاتہون کو اوسکے جدا کیا پھر واپس آئے۔

ان احادیث مین ایک حدیث عبد اللہ بن زبیر کی ہے جو خود صحابی ہین اور حضرت زبیر صحابی کے فرزند اور حضرت عائشہ کے بہانجے حضرت اسما کے فرزند جو سب صحابی ہین حضرت ابوبکر کے نواسہ ہے جو خود مکہ معظمہ مین مدتون خلیفہ اہلسنت رہے۔ اور اہلسنت اونکو نہایت عابد و زاہد مانتے ہین۔ اونکا فعل اس روایت سے معلوم ہوا کہ ہاتہہ کھول کر نماز پڑہا کرتے۔

انکی وفات ۷۳ھ مین ہوئی کہ حجاج بن یوسف ثقفی نے پہانسی دیا۔ اور مقبرہ یہود[1] مین خاص مکہ مین مدفون ہوئے جس سے معلوم ہوا کہ اس زمانہ تک ہاتھ کہولنے کا رواج تھا۔ کیونکہ اہلسنت یہ کہہ نہین سکتے اونکا یہ فعل خود رائی سے تھا کہ اپنے دل سے جسطرح چاہتے نماز پڑہتے

---

[1] اسماء الرجال مشکوۃ عبد الحق دہلوی مین ہے ووقف ابن عمر علیہ فقال السلام علیک یا ابا خبیب السلام علیک یا ابا خبیب اما واللہ لقد کنت انہاک عن هذا قالها ثلاثا اما واللہ لقد کنت لذی علمت صواما قواما وصولا للرحم فبلغ الحجاج موقف عبد اللہ فارسل الیہ وانزلہ عن جذعہ فالقی فی قبور الیہود ص ۱۰۰ قلمی

بلکہ لامحالہ یہی کہنا پڑیگا کہ رسول اللہؐ کو اور خلفائے ثلثہؓ اور اپنی خالہ جان و اماجان کو یونہی نماز پڑہتے دیکھا تھا۔ اسلئے اسیطرح پڑہا کرتے۔

محمد بن سیرین المتوفی سنہ ۱۱۰ھ سعید بن جبیر المتوفی سنہ ۹۵ھ حسن البصری المتوفی سنہ ۱۱۰ھ سے بھی یہی منقول ہے کہ وہ سب کے سب نماز ہاتہہ کہول کر پڑہا کرتے تھے جس سے معلوم ہوا کہ عام طور سے صحابہ و تابعین کا یہی معمول تھا کہ وہ نماز ہاتہہ کہول کر پڑہتے۔

انکے نسبت کون شخص اہلسنت سے یہ گمان کرسکتا ہے کہ یہ فعل اونکا اپنی طبیعت اور راے سے تھا بغیر اسکے کہ سنت رسول یہی تھی اور حضرت اسیطرح نماز پڑہا کرتے۔ اسلئے یہ لوگ بھی اسی طرح پڑہتے۔ کیونکہ یہ لوگ معمولی اشخاص نہیں ہیں انکے اقوال و احادیث پر بناے مذہب اہلسنت ہے۔ ابن سیرین جنکا نام محمد ہے اونکے نسبت شیخ عبدالحق دہلوی اپنی کتاب اسماء الرجال میں لکھتے ہیں۔

محمد بن سیرین ابوبکر البصری احد الاعلام کان فقیہا عالما فاضلا زاہدا ورعا محدثا من مشاہیر التابعین واجلتہم ثقۃ حجۃ حافظ متقن یعبر الرؤیا کثیر العلم والورع کثیر الصمت لہ سبعۃ اوراد باللیل لقی عددا کثیرا من الصحابۃ قال ہشام ادرک من اصحاب النبیؐ ثلثین نفسا واشتہر بفنون علم الشریعۃ وکان من اورع اہل البصرۃ و سمع ابن عمر و انس و عمران بن حصین و ابی ہریرۃ و زید بن ثابت و من سواہم مات سنۃ عشر ومائۃ بعد الحسن

بجماعہ لیلہ وھو ابن سبع وسبعین سنۃ ص ۳۶ النسخہ قلمی

اور سعید بن جبیر کی نسبت رقمطراز ہیں ۔

سعید بن جبیر بضم الجیم وفتح الموحدۃ وسکون التحتانیہ بن
هشام الاسدی الوالبی بالواو وکسر اللام مولی بنی والبہ بطن
من اسد بن خزیمہ نسبۃ الی والبہ بن عمرو بن الحارث کوفی من اعلام
التابعین سمع ابا مسعود وابن عباس وابن عمر وابن الزبیر و
انسا واکثر روایتہ من ابن عباس وقرء علیہ علم التفسیر والقراءۃ
ومهر فی القراءۃ مهارۃ تامۃ حتی انہ یروی انہ ختم فی رمضان وقراء فی
کل لیلۃ بقراءۃ قراءہا فی الاخری وروی عنہ الاعمش وعمرو بن
دینار وابو ایوب وابو بشر وامم ۔ قتلہ الحجاج بن یوسف فی شعبان
سنۃ خمس وتسعین ولہ تسع واربعون ص ۶۹ قلمی

اور امام حسن بصری کے نسبت لکھتے ہیں ۔

الحسن البصری ھو الامام ابو سعید الحسن بن ابی الحسن واسم
ابی الحسن یسار البصری بفتح التحتانیۃ وتخفیف السین من سبی میسان
بفتح المیم وسکون التحتانیۃ وبالسین المهملۃ وکان الحسن مولی زید بن ثابت
وقیل مولی جمیل بن قطبہ وقیل غیر ذلک ولد لسنتین بقیتا من خلافۃ
عمر بن الخطاب بالمدینۃ وقدم البصرۃ بعد مقتل عثمان ورای عثمان وسمع
منہ وقیل انہ لقی علیا بالمدینۃ فاما بالبصرۃ فان رؤیتہ ایاہ لم یصح
لانہ کان فی وادی القری متوجہا نحو البصرۃ حتی قدم علی بن ابی طالب

ویقال لقی طلحۃ وعائشہ ولم یصح لہ منہما سماع وروی عن غیرھما من الصحابۃ مثل ابی بکرۃ الثقفی وانس بن مالک وسمرۃ بن جندب وعمران بن حصین وابی موسیٰ وابن عباس وجندب وروی عنہ خلق کثیر من التابعین کان کبیر الشان رفیع الذکر راسا فی العلم وھو امام وقتہ فی کل فن وعلم وزھد وورع وعبادۃ ومات فی رجب سنہ عشر ومائۃ کذا فی جامع الاصول والکاشف ص ۲۸ قلمی

خلاصہ حکایہ ہے کہ سعید بن مسیب ایک ہین اعلام سے۔ فقیہ۔ عالم۔ فاضل۔ زاہد ورع۔ محدث تھے مشاہیر واجلہ تابعین سے ثقہ ہین حجت ہین۔ حافظ ہین۔ متقن ہین خواب کی خوب تعبیر دیتے کثیر العلم تھے۔ ورع تھے بہت سے اصحاب نبی سے انکی ملاقات ہوئی ابن ہشام کہتے ہین کہ تیس صحابی سے انہون نے ملاقات کی۔ اور علوم شریعت مین بہت مشہور ہوئے۔ ابن عمر۔ انس عمران بن حصین۔ ابوہریرہ۔ زید بن ثابت وغیرہ صحابہ سے حدیث کی روایت کرتے ہین۔ تو پھر کون گمان کرسکتا ہے کہ انکا ہاتھ کھولنا نماز مین اپنی خواہش نفس سے تھا۔ ہر شخص بالیقین کہیگا کہ ان صحابہ کو انہونے اسیطرح نماز پڑھتے دیکھا لہذا خود بھی اسیطرح پڑہتے سنہ ۱۱۰ھ وفات ہے تو اس زمانہ تک عام رواج ہاتھ کھولنے کا معلوم ہوا۔

سعید بن جبیر بھی اعلام تابعین سے ہین۔ ابی مسعود۔ ابن عباس۔ ابن عمر۔ ابن الزبیر۔ انس سے روایت کرتے ہین اور اکثر علوم انکا حضرت ابن عباس سے ماخوذ ہے۔ ماہ رمضان مین یہ ایکدفعہ امام مقرر ہوئے تو ہر رات قرآن کو نماز

مین بہی قرأت سے پڑہتے تھے۔ انسے اعمش۔ عمرو بن دینار، ابوایوب۔ ابوبشر وغیرہ روایت کرتے ہین حجاج نے ۹۵ھ مین قتل کیا۔ انکو اسقدر جد مبالغہ تہا کہ اگر کسیکو ہاتہ باندہتے دیکہتے تو جا کر اوسکا ہاتہ کہولدیتے۔

حسن بصری کے روایات کی ضرورت نہین خلافت خلیفہ دوم مین پیدا ہوے عثمان کی خدمت مین پہنچے اور حدیث سنی۔ اونسے علی اور بہت سے صحابہ سے ملاقات کی اور جابر صحابی کو اونسے حاصل کیا۔ اپنے وقت کے ہر فن مین امام تہے الغرض بڑی قدرت تقوی ہی ۱۱۰ھ وفات ہے۔

تو اب کون شخص اہلسنت سے کہسکتا ہے کہ یہ لوگ جو نماز ہاتہہ کہولکر پڑہتے تہے تو بدعت کرتے یا خلاف سنت جس سے خواہی نخواہی ماننا پڑیگا کہ ہاتہہ باندہ کر نماز پڑہنا بدعت ہے کہ سعید بن جبیر اگر کسیکو ہاتہہ باندہ کر نماز پڑہتے دیکہتے تو جا کر اوسکا ہاتہہ کہولدیتے فماذا بعد الحق الا الضلال

اجماع یہ تیسری دلیل ہے اہلسنت کی جس سے کسی مسئلہ شرعی کی صحت ثابت کیجاتی ہے۔ اسی اجماع مین عمل اہل مدینہ بہی داخل ہے جس سے امام مالک نے اپنا یہ مذہب قرار دیا کہ ہاتہہ کہولکر نماز پڑہنا چاہئیے۔

چنانچہ علامہ محمد معین لاہوری جو تلامذہ شاہ ولی اللہ دہلوی سے ہین اور علماے اہلحدیث کے مشہور افراد سے ہین اپنی کتاب دراسات اللبیب مین لکہتے ہین مطبوعہ لاہور سنہ ۱۲۶۸ھ ص ۲۴۳

وثانیہما ان عمل اہل المدینۃ المقدسۃ   دوسرے یہ کہ عمل اہل مدینہ میرے

على صاحبها افضل الصلوة والتسليمات من اقوى حجج الدين عندنا ونرى الاهم فيما طريقه النقل من ذلك على ما يرى الامام الاكبر عالم المدينه مالك بن انس الاصبحي من ان اجماع اهل المدينة المطهرة حجة حتى انه عولت علماء مذهبه في ارسال اليدين حالة القيام في الصلوة على عمل اهلها مع وجود المرفوع الصحيح في قبض اليمنى على اليسرى وحملوه على الحاجة عند طول القيام وحصروه بها بدليل عمل اهلها لما يخص الحديث الصحيح بحديث آخر مثله ولا يجوز ذلك في التخصيص وارتكاب خلاف الظاهر براى احد من علماء والقبض وان روى مطرف وابن الماجشون عن مالك انه مستحسن لكن روى ابن

نزدیک قوی ترین حجتوں سے دین کے ہے۔ اور اس مسئلہ میں میری رائے مطابق ہے امام اکبر عالم مدینہ مالک بن انس اصبحی کے کہ وہ قائل تھے اس بات کے کہ اجماع اہل مدینہ مطہرہ حجت ہے یہانتک کہ علماے مالکی نے اسی دلیل پر اعتماد کیا ہے دربارہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہنے کے۔ کہ چونکہ اہل مدینہ کا یہی عمل تہا لہذا اونہوں نے۔ اسی کو اپنا مذہب بنایا حالانکہ حدیث صحیح مرفوع اس مادہ میں موجود ہے کہ داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکہنا چاہیے (اس حدیث کا حال دوسرے جملہ میں ملاحظ فرمائیگا) اور اونہوں نے یعنی مالکیون نے اس حدیث کو محمول کیا ہے ضرورت اور حاجت پر کہ اگر بوجہ طول قیام ہاتھ بہر جاے تو ہاتھ باندہ لے۔ اور اس تخصیص کی دلیل اونکے پاس یہی عمل اہل مدینہ ہے

القاسم عن مالك الارسال
وصار اليه اكثر اصحابه وروى
عنه اباحة القبض في النافلة
بطول القيام وكره في الفريضة
قال ابن الحاجب ان ذلك
حيث يمسك معتمدا لقصد
الراحة نقله الزرقاني في
شرح الموطا قال ابن عبد البر
ان القبض لم يات عن النبي
صلى الله تعالى عليه وسلم
فيه خلاف وهو الذي
ذكره مالك في الموطا ولم
يحك ابن المنذر وغيره
انتهى

وانت قد علمت ما ذكره
غير ابن المنذر عنه وقوله
وهو الذي ذكره مالك
في الموطا اراد منه ان ذكره
في الموطا يدل على كونه
مذهبا له فهو استدلال
ضعيف فان العلم محيط
بتصنيف الموطا من انه
ربما يروي فيه ما يخالف
مذهبه كما فعل في قنوت

جسطرح ایک حدیث دوسری حدیث
سے خاص کردی جاتی ہے - اور
نہین جائز ہے یہ تخصیص اور ارتکاب
خلاف ظاہر کسی کے نزدیک علماء
سے اپنی راے سے (لہذا معلوم ہوا
کہ یہ تاویل مالک براے نہین ہے)
ہان مطرف اور ابن ماجشون نے
امام مالک سے اسکی روایت بھی کی ہے
کہ وہ ہاتھ باندھنے کو مستحسن سمجھتے
تھے - مگر ابن قاسم نے امام مالک سے
ارسال ہی کی روایت کی ہے (کہ
وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے تھے) اور
یہی مذہب ہے اونکے اکثر اصحاب کا
اور ہاتھ باندھنے کے بارہ مین صرف
اسقدر منقول ہے کہ امام مالک اسکو
جائز جانتے تھے نماز نافلہ مین بسبب
طول قیام کے اور فرض نمازون
مین مکروہ جانتے تھے -
کہا ابن حاجب نے کہ یہ ہاتھ باندھنا اوس وقت

الصبح حيث اقتصر فيه
على اثر ابن عمر رض في عدم جوازه
مع ان القنوت في الصبح مذهبه
الثابت عنه وان اراد ان
ما ذكره من اثر ابن عمر حجة
عليه فجوابه ان اثر ابن
عمر لا يعارض عمل اهل المدينة
بل قد اشرنا الى حديث سهل
في رفع القبض المروي في
صحيح البخاري لا يرد حجة
عليه لعمومه وعلى اصحابه حيث
تمسكوا بعمل اهل المدينة
والارسال هذا لم ينفرد
مالك فقد جاء فيه الآثار
عن سلف التابعين روى جملة
من ذلك الامام ابو بكر
بن ابي شيبة في مصنفه ومنه
اثر عن عبد الله بن الزبير رض
رواه في المصنف بسنده
فقال حدثنا عفان قال
حدثنا يزيد بن ابراهيم
قال سمعت عمرو بن دينار
قال كان ابن الزبير اذا صلى

نوافل میں جائز ہوگا کہ جب بغیر حاجت ہوا
ہو (یعنی وہ بھی بلا ضرورت نہیں جائز
ہے) جیسا کہ نقل کیا ہے زرقانی نے
شرح موطا میں۔

کہا ابن عبد البر نے کہ ہاتھ باندھنے کے
بارہ میں کوئی حدیث خلاف اسکے حضرت
سے نہیں منقول ہے اور اسکو ذکر کیا
ہے مالک نے موطا میں اور ابن
منذر وغیرہ نے اسکے خلاف نہیں نقل
کیا ہے مالک سے

مصنف لکھتے ہیں مگر پوچھا جاتا ہے کہ غیر
ابن المنذر نے کیا روایت کی ہے۔
(ارسال) اور یہ جو لکھا کہ مالک نے
اسکو ذکر کیا ہے موطا میں اگر اس سے
یہ مراد ہے کہ یہی انکا مذہب ہے تو یہ
استدلال ضعیف ہے کیونکہ اہل
علم جانتے ہیں کہ امام مالک موطا میں ایسی
روایتیں بھی لاتے ہیں جو انکے مذہب
خلاف ہوتی ہیں جیسا کہ قنوت صبح

یہ عمل اہل مدینہ ہین اونہون نے ابن عمر کی روایت
لکھی کہ نہین جائز ہے حالانکہ سبکو معلوم ہے کہ مالک مذہب قنوت
سے نماز صبح مین جو ثابت ہے اور لیئے ۔
اور اگر ابن عبد البر کا یہ مقصود ہے کہ اثر ابن عمر حجت ہے مالک پر
تو اوسکا جواب یہ ہے کہ روایت ابن عمر معارض عمل اہل مدینہ نہین
ہو سکتی ۔ بلکہ ہے تو اوسکی طرف بھی اشارہ کیا کہ حدیث سہیل
جو صحیح بخاری مین مروی ہے دربارہ ہاتھ باندہنے کے وہ بھی
اونپر حجت نہین ہے بوجہ عموم اسکے ۔ اور نہ اونکے اصحاب پر حجت ہے
کیونکہ مسلک اونکا عمل اہل مدینہ ہے (جو درایت ہے ۔ اور یہ
روایت)

اور یہ مذہب ارسال یدین ایسا نہین ہے کہ صرف مالک ہی
اسکے ساتھ نہین متفرد ہوئے ہین بلکہ بہت سی روایتین اسمین سلف صحابہ
تابعین سے آئی ہین جنہین امام ابو بکر بن ابی شیبہ نے اپنے مصنف
مین ذکر کیا ہے ۔ (مین ان سبکو پہلے لکھ چکا ہون) اوسمین عبد اللہ
بن زبیر سے روایت ہے جسے مصنف نے اپنی سند سے روایت کیا ہے
عفان سے کہ کہا حدیث کی مجھسے یزید بن ابراہیم نے کہ کہا سنا مینے
عمرو بن دینار کو کہ تھے ابن الزبیر جب نماز پڑہتے تو ہاتھون کو
کہول دیتے ۔ (تمام ہوا ترجمہ)

اس عبارت سے بدیہی طور پر ظاہر ہوا کہ امام مالک کا یہی

مذہب تھا کہ وہ نماز میں ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے۔ اور اونکی دلیل یہ ہے
کہ عمل اہل مدینہ یونہی تھا کہ وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھا کرتے۔
اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگرچہ حدیث مرفوع اسکے خلاف موجود ہے
جسمیں اسکا حکم ہے کہ داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا چاہیے۔ مگر اسپر
بھی امام مالک کا انکا مذہب یہی تھا کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھنا چاہیے کیونکہ
وہ کہتے تھے اس حدیث کے یہ مطلب ہیں کہ بوقت ضرورت ہاتھ
باندہنا چاہیے۔ اسلیئے کہ عمل اہل مدینہ یہی ہے کہ وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے
تو اب یہ حدیث خاص ہوئی بوقت ضرورت۔

علمائے اہلسنت نے اگرچہ اسمیں اختلاف کیا ہے کہ عمل اہل مدینہ
حجت ہے یا نہیں۔ مگر اس سے کسیکو انکار نہیں کہ اہل مدینہ کا عمل یہی
تھا کہ وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھا کرتے جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ
یہ عمل اونکا مطابق عمل رسول اللہ صلعم تھا آنحضرت کو جیسے یونہی نماز
پڑھتے دیکھا تھا لہذا وہ بھی اسیطرح پڑھا کرتے۔

تو اب اسکے خلاف عمل کرنا دیدہ و دانستہ اپنی نماز کو مخالف عمل
رسول اللہ بنانا ہے کیونکہ اسکو تو کوئی نہیں کہ سکتا کہ اہل مدینہ
کا عمل خلاف عمل رسول تھا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تابعین و تبع تابعین کا عمل یہی تھا کہ وہ ہاتھ
کھولکر نماز پڑھا کرتے کیونکہ امام مالک اسکو عمل اہل مدینہ کہتے ہیں۔
اور عمل اوسیوقت کہا جاسکتا ہے کہ سبکا یہی عمل ہو بلا اختلاف

کیونکہ درصورت اختلاف عمل اہل مدینہ نہیں کہہ سکتے بلکہ عمل بعض اہل مدینہ

تو اب بدیہی طور سے معلوم ہوا کہ عمل اہل مدینہ زمانہ امام مالک تک بلا اختلاف یہی تھا کہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہتے تھے۔

اسی استدلال امام مالک سے اوس حدیث کی بھی حالت ظاہر ہوئی جو ہاتھ باندھنے کے بارہین روایت کی جاتی ہے کہ وہ کیسی درست ہوگی۔ کیونکہ اس روایت کی موجودگی پر بھی صحابہ اور سائر اہل مدینہ کا یہی عمل تھا کہ وہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہتے تھے۔ تو اب دو ہی احتمال ہو سکتے ہین۔ ایک یہ کہ معاذ اللہ تمام صحابہ اور اہل مدینہ کل رسول کے مخالفت کرتے تھے۔ کہ حضرت ہاتھ باندھکر نماز پڑہنے کا حکم دیتے اور یہ لوگ اوسکے خلاف عمل کرتے یہ احتمال ایسا بعید ہے امید نہیں کہ سکتا کوئی سنی اسکا دعوی کر سکے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ روایت قبض یدین یعنی ہاتھ باندھنے والی روایت ضعیف بلکہ موضوع ہے جیسا کہ آیندہ مذکور ہوگا انشاء اللہ۔ کیونکہ یہ عمل احکام نماز سے ہے نہ امور دنیوی سے جو یہ کہا جائے کہ اسمین متابعت حکم رسول ضروری نہیں یا یہ کہا جائے کہ عمداً دیدہ و دانستہ خودغرضی سے حکم رسول کی مخالفت کی گئی۔ بلکہ یہ تو احکام ہیئت صلوۃ سے ہے جسمین ہر شخص محکوم ہے کہ حضرت کا اتباع کرے اور کوئی اسکا مجاز نہیں کہ حضرت کی مخالفت کرے۔

اگرچہ بعد اس دلیل کے کہ عمل اہل مدینہ ثابت ہو اوسی پر کہ وہ ہاتھ کہول کر نماز پڑہا کرتے کسی دوسری دلیل کی حاجت نہیں رہتی۔ کیونکہ اہل مدینہ میں سب وہ اہل ہیں جو اوصحابی تھے یا تابعی۔ مگر مصنف نے خاص ابن الزبیر کا طرز عمل یہی دکھلایا کہ اونکا یہی معمول تھا کہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہا کرتے۔ اور تابعین کا کیا ذکر کہ وہ سب تو تابع صحابہ ہیں۔

میرے خیال ناقص میں عبد اللہ بن زبیر کے ذکر کی ضرورت بالتخصیص یوں تھی کہ دستور عام تو یہی تھا لیکن جب تک یہ مسئلہ کبھی بھی معرض اختلاف میں اوس وقت تک نہیں آیا تھا بلکہ سب کا یہی معمول تھا کہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہا کرتے لہذا کسیکو اس طرف کبھی التفات بھی نہوا کہ نماز کیونکر پڑہی جاتی ہے کیونکہ یہ تو ایک معمولی بات تھی جب اس اختلاف کی بنیاد پڑی تو عمرو بن دینار نے اپنی اس تازہ یاد کو بیان کیا کہ ابن الزبیر ہاتھ کہولکر نماز پڑہتے تھے ورنہ سارے اہل مدینہ کا یہی قاعدہ تھا کہ وہ اسیطرح نماز پڑہا کرتے۔

دوسری وجہ اسکی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ چونکہ ابن الزبیر خلیفہ بھی تھے اور خاص مکہ میں اونکی خلافت ہوئی تھی۔ اور حضرت ابوبکر کے نواسے تھے۔ اور حضرت عائشہ کے تربیت یافتہ اسلئے اونکا عمل زیادہ قابل وثوق اور اعتماد تھا۔ اور پھر وہ نہایت عابد بھی مشہور تھے لہذا عمرو بن دینار نے اونکے عمل سے استناد کیا کہ اونکا

عمل اس مورد مین کسی طرح قابل شک یا اعتراض نہین ہوسکتا۔ پس اونکے اس طرز عمل نے بتا دیا کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑہنا نہ صرف لوگونکے علم کے مطابق تہا بلکہ یہی عمل وہ اپنے آباد اجداد و امہات کا دیکھ چکے تھے جس سے پہر کوئی گمان بھی نہین کرسکتا کہ اونکی نماز اوس طریقہ کے خلاف ہوگی جو حضرت ابوبکر و حضرت عائشہ و اسماو زبیر کے خلاف ہو۔ اور چونکہ پنے اسکے قبل وہ روایتین بھی لکھدی ہین جو حسن بصری۔ اور سعید بن المسیب۔ سعید بن جبیر وغیرہ تابعین سے مروی ہین لہذا بخوبی ظاہر ہوا کہ عمل اہل مدینہ وغیرہ یہی تھا۔

علامہ محمد معین مصنف دراسات اللبیب مین اسکے بعد لکھتے ہین۔

والعجب کل العجب من مثل شیخ الدہلوی حیث ینفی فی شرح السفر الدلیل للارسال مطلقا رفعا واثرا ویقول سالت فی الحجاز عن ذالک بعض علماء المالکیہ فلم یاتوا بشئ سوی امر خطابی ذکروہ مما لا یلتفت الیہ اہل العلم اصلا وعمل اہل المدینۃ المطہرۃ فی ذلک عند علماء مذہبہ اقوی من آثار التابعین والصحابہ فیہ

یعنی پورا تعجب ہے شیخ عبد الحق دہلوی سے جو شرح سفر السعادۃ مین لکھتے ہین کہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہنے کی کوئی دلیل نہین ہے مطلقاً نہ حدیث مرفوع سے نہ اثر صحابہ سے اور لکھتے ہین کہ مینے حجاز مین بعض علماء مالکیہ سے سوال بھی کیا تو کوئی دلیل ایسی نہ لاسکے جو قابل التفات اہل علم ہو سواے امر

خطابی کے حالانکہ عمل اہل مدینہ کا اس بارے میں مالکیہ کے نزدیک قوی تر ہے آثار تابعین و صحابہ سے۔ (تمام ہوا ترجمہ)

ہمارا مطلب اس عبارت سے یعنی قول خطابی سے ثابت ہے کیونکہ اگر بقول شیخ عبد الحق دہلوی کوئی دلیل قوی علماء مالکیہ کے پاس نہ تھی تو معلوم ہوا کہ مذہب وہ تنہا ہی تھا کہ جانتے بوجھ کر اسپر عمل کرتے جس سے ہمیشہ انکار نہیں کیا بلکہ اسپر دلیل لاتے جو شیخ عبد الحق کے نزدیک قابل اعتماد تو ہو۔

یعنی مقصود ہمارا اتنا ہی ثابت ہوا کہ امام مالک کا یہی مذہب تھا اور اسکی دلیل انکے نزدیک یہی عمل اہل مدینہ ہے جو آثار صحابہ و تابعین سے بھی زیادہ قوی تر ہے۔

نفی احادیث صحیحہ بوجہ عمل اہل مدینہ

عمل اہل مدینہ کی بابت انکی قوی دلیل ہے کہ علامہ زرقانی لکھتے ہیں شرح موطا میں هذا ان مالکا و اصحابه یردون الاحادیث الصحیحة عن ظواهرها و یترکون به آثار الصحابة کما یترکون بالمرفوع و انما ترک الحدیث الصحیح لعملهم فیدل علیه مذهب مالک فی عدم اجزاء صوم الولی عن المیت مع ورود الحدیث الصحیح قال القسطلانی فی شرح البخاری واجاب المالکیة عن احادیث الباب بدعوی عمل اهل المدینة انتهی یعنی عملهم بعدم الاجزاء ص (۴۲)

یعنی جو حکایت ابن مسعود کی بیان کی ہے کہ انہوں نے اپنے

اجتہاد سے ایک فتویٰ دیا تھا جب مدینہ آئے اور وہاں لوگوں سے دریافت کیا تو اپنی رائے سابق سے عدول کیا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ امام مالک اور اونکے اصحاب تاویل کرتے ہیں احادیث صحیحہ میں جو خلاف عمل اہل مدینہ ہو۔ اور اس عمل اہل مدینہ کی بدولت وہ ترک کرتے ہیں اقوال صحابہ کو جیسا کہ ترک کرتے ہیں حدیث مرفوع سے

رہا یہ امر کہ وہ ترک کرتے ہیں حدیث صحیح کو عمل صحابہ سے۔ پس اونکی دلیل یہ ہے کہ مذہب مالکیہ میں یہ ہے کہ قولی کا عموم مخالف سنت مجری نہیں ہے حالانکہ حدیث صحیح اس باب میں وارد ہے کہا قسطلانی نے شرح صحیح بخاری میں کہ مالکیوں نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ عمل اہل مدینہ اسکے خلاف ہے یعنی وہ اسکو مجری نہیں مانتے

پس بالفرض اگر کوئی حدیث صحیح بھی ہاتھ باندھنے میں ہو۔ تو وہ حدیث اسوجہ سے مردود ہے کہ عمل اہل مدینہ اسکے خلاف ہے۔ حالانکہ ہم آیندہ چلکر بتاوینگے انشاءاللہ کہ حدیث صحیح اس بارے میں کوئی نہیں ہے۔

مذہب شافعی بھی یہی ہے

علامہ مذکور لکھتے ہیں وامام المطلبی الشافعی بادرۃ الفرید من مجد شرف هاشم رحمہ اللہ سبحانہ بہ صدور المحبین نشر العلوم من اهل هذا البیت المقدس رض فقد روی الشعرانی فی کتابہ تلخیص السنن للبیهقی المسمی بالمنهج المبین فی جمع ادلۃ المجتهدین عنه بسندہ عن الهروی عن یونس بن عبد الاعلی قال سمعت الشافعی

يقول كل حديث جاء من اهل العراق وليس له اصل في الحجاز فلا نقبله (لعدم صحته عندنا) وان كان صحيحا انتهى (في نفس الامر لان الحجة بعد الثبوت) ومنه يخرج ان عمل اهل المدينة المقدسة يترك به الحديث الصحيح عند غيرهم مطلقا او عند اهل الكوفة بخصوصهم فان عملهم على شئ ورد بخلافه الحديث عند غيرهم لا يتصور الا بانتفاء عمل ذلك عندهم والا لما وسعهم الخلاف ومن لم يقبل هذا الحديث المعارض لعملهم وجب عليه التمسك به وترك ما خالفه ووجه ذلك ان عملهم دليل قوي على وجود الحديث الصحيح في ذلك عندهم وحديثهم يترجح على حديث غيرهم عند هذين الامامين (مالك والشافعي) وفي هذا جواز الاعتماد على العلم الاجمالي بوجود الدليل الراجح مع وجدانه الدليل المعارض به بعينه وذلك مخصوص في عمل اهل المدينة المشرفة عندهما ص ۳۴۳

یعنی امام شافعی کا عمل اس قاعدہ پر اس سے ظاہر ہے کہ شعرانی نے تلخیص سنن بیہقی میں روایت کیا ہے شافعی سے کہ وہ کہتے تھے جو حدیث اہل کوفہ کے ذریعہ سے وارد ہو۔ اور اوسکی کوئی اصل اہل حجاز میں نہو۔ تو ہم اوس حدیث کو نہیں قبول کرتے (کیونکہ وہ صحیح نہیں) اگرچہ فی نفس الامر صحیح ہو (کیونکہ حجت بعد ثبوت ہے)۔

پس اس قول شافعی سے معلوم ہوا کہ اگرچہ کوئی حدیث صحیح ہو غیر

غیر اہل مدینہ کے نزدیک مطلقاً یا اہل کوفہ کے نزدیک خصوصاً۔ تو وہ
حدیث بوجہ مخالفت اہل مدینہ رد کر دی جائیگی۔ کیونکہ یہ تو ہو نہیں
سکتا عمل اہل مدینہ مخالف ہو کسی صحیح حدیث سے۔ پس معلوم ہوا کہ وہ
حدیث ہی صحیح نہیں ورنہ وہ اسکی مخالفت کیونکر کرتے۔

اور جب یہ حدیث جو معارض عمل اہل مدینہ ہے قابل قبول نہیں۔ تو
عمل اہل مدینہ کے ساتھ ترک ضروری ہوا اور اوسکے خلاف کا ترک
کرنا۔ کیونکہ اونکا عمل اس بارہ میں دلیل قوی ہے اسپر کہ کوئی حدیث
صحیح اونکے نزدیک ہے۔ اور اہل مدینہ کی حدیثیں قابل ترجیح ہیں
مالک و شافعی کے نزدیک دوسروں کی حدیث پر۔

پس اس سے بھی معلوم ہوا کہ علم اجمالی بوجود دلیل راجح کافی ہے
اگرچہ خلاف اوسکے دلیل پائی بھی جائے۔ اور یہ مخصوص ہے عمل
اہل مدینہ کے ساتھ مالک و شافعی کے نزدیک "

اس عبارت نے بتا دیا کہ عمل اہل مدینہ بجائے خود ایسی قوی
اور مستحکم دلیل ہے کہ اسکے مقابلہ میں نہ حدیث صحیح کا اعتبار رہتا ہے
نہ آثار صحابہ و تابعین کا۔ امام مالک اور امام شافعی کا یہی مذہب
ہے۔

بلکہ اسکی بھی تصریح کر دی کہ اگرچہ اہل مدینہ کے پاس کوئی حدیث
ظاہری نہ بھی ہو تو اونکا عمل کافی ہے رد احادیث صحیحہ کے لئے کیونکہ
اگر اونکے پاس کوئی دلیل نہ ہوتی تو اسطرح عمل نہ کرتے لہذا معلوم ہوا!

کہ جس حدیث پر اہل مدینہ کا عمل نہین ہے وہ حدیث بھی صحیح نہین اگرچہ فی نفس الامر صحیح بھی کیون نہو۔

تو اب ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا ایک ایسی قوی دلیل سے ثابت ہے کہ اگر اسکے مقابلہ مین کوئی حدیث صحیح صریح بھی ہوتی تو وہ قابل قبول نہ تھی چہ جائیکہ فی الواقع کوئی حدیث صحیح بھی نہین۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آخر امام شافعی بھی جواز ارسال یدین کے قائل ہوئے کیونکہ سابقاً ہم لکھ چکے ہین شافعیہ بھی ہاتھ کھولنے کو جائز بتاتے ہین۔

رسالہ [illegible]

ہین لیکن [illegible] عمل اهل المدینة المعظمة علی الحدیث الصحیح [illegible] بعد تدوینهما فاما ما اخرجه الشیخان فقد تلقتهما الامة بالقبول و من جملتها اهل المدینة ادلة علماء المدینة الطیبة ص ۲۳

یعنی میری رائے مین یہ حکم تقدیم عمل اہل مدینہ معظمہ حدیث صحیح پر اوس حدیث کے متعلق ہے جو بعد تصنیف صحیحین خارج از صحیحین ہے۔ کیونکہ صحیحین کو امت نے قبول کر لیا ہے جسمین علماء مدینہ بھی داخل ہین۔

جسکے مطلب یہ ہوئے کہ اصل مسئلہ مسلم ہے کہ عمل اہل مدینہ کے مقابلہ مین حدیث صحیح بھی قابل قبول نہین۔ مگر اس حکم سے صحیحین مستثنی ہین یعنی صحیحین کی حدیثین نہین مردود ہونگی۔ بلکہ غیر صحیحین کی حدیثین اگر عمل اہل مدینہ کے خلاف ہون تو وہ مردود ہین۔ اور یہ حکم بھی صحیحین کے لئے اسوجہ سے

نہین ہے کہ حدیثین اوسکی صحیح ہین۔ بلکہ اس وجہ سے کہ صحیحین کو امت نے قبول کرلیا ہے جسمین علماے مدینہ بھی داخل ہین۔ تو اس وجہ سے صحیحین کی حدیثین عمل اہل مدینہ سے نہ مردود ہونگی۔ اور باقی صحیح حدیثین سب مردود ہین۔

ہمکو اس راے کی مخالفت یا موافقت سے چندان بحث نہین۔ کیونکہ یہ انکی ذاتی رائے ہے جو مقابل مذہب امام مالک یا امام شافعی کوئی وقعت نہین رکھتی۔ اور نہ یہی ثابت ہے کہ علماے امت نے صحیحین کو قبول کرلیا کیونکہ جمہور علماے امت اسکے مخالف رہے ہین ائمہ اربعہ کے مقلدین نے بہت سی حدیثون کو نہین مانا اور بحرالعلوم مولوی عبدالعلی صاحب لکھنوی اپنے علما سے ناقل ہین کہ درمیان صحیحین اور غیر صحیحین کے کوئی فرق نہین جیسا کہ تنقید بخاری وغیرہ مین تصریح لکھ چکا ہون۔

اور چونکہ صحیح بخاری کی تدوین سنہ ۲۵۲ مین ہوئی اور صحیح مسلم کی اسکی بھی بعد لہذا اوس سنہ تک بلکہ بعد بھی اوس زمانہ تک یہ اتفاق امت کے لئے درکار رہے۔ مگر اہل مدینہ کی یہ وقعت تھی کہ حدیث صحیح بھی اوسکے سامنے کوئی چیز نہ تھی۔ اور اوسکے بعد بھی جو کچھ انکی عظمت تھی تو اس وجہ سے کہ اہل مدینہ نے صحیحین کو قبول کرلیا تھا۔ ورنہ اگر وہ نہ قبول کرتے تو پھر بھی حدیث صحیح کا اوسکے مقابلہ مین کوئی اعتبار نہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ آجکل مذہب مالکی یہی ہے کہ وہ ہاتھ

نماز پڑھتے ہیں۔

اصل اجماع

ان سب تقریروں کا خلاصہ یہ ہے کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا یہ اجماع اہل مدینہ ثابت ہے جسمیں تمامی صحابہ۔ و تابعین و تبع تابعین داخل ہیں۔ تو اب ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا مخالف اجماع ٹھہرا جو یقیناً باطل ہے مطابق قواعد اہلسنت۔

عظمت اجماع

کیونکہ اجماع ایک ایسی حجت شرعی ہے کہ اسکے مقابلہ میں کوئی حجت حجت نہیں چنانچہ آپکو معلوم ہے کہ خود کتاب اللہ جس سے بڑھکر کوئی حجت نہیں ہو سکتی محتاج اجماع ہے کہ جن آیات اور سوروں پر اجماع ہوا وہ تو داخل قرآن کیا گیا۔ اور جس پر اجماع نہوا وہ نہ داخل قرآن ہوا نہ قرآن مانا گیا۔ تو اب دوسری کونسی حجت شرعی ایسی ہو سکتی ہے جو اجماع کے ہمسر ہو سکے۔ کیونکہ شرح مسلم الثبوت میں ہے۔ الاجماع حجة قطعًا و يفيد العلم الجازم عند الجميع من اهل القبلة ص ۲۱۳ جلد ۲ مطبوعہ مصر

جس سے معلوم ہوا اجماع حجت قطعی ہے کہ مفید علم الیقین ہے تمامی اہل قبلہ کے نزدیک بہ استثناء خوارج و شیعہ یہانتک کہ اجماع سے احکام قرآن اور حدیث دونو باطل کر دئے جاتے ہیں۔

حجیت اجماع اہل البیت علیہم السلام

ملا محمد معین نے ایک خاص تقریر اس بارہ میں بھی کی ہے جس سے اجماع اہلبیت اطہار کی عظمت ثابت ہوتی ہے لہذا اوسکا ذکر بھی ضروری ہے۔

لکھتے ہیں۔

ومما اعتقده حجية اجماع اهل بيت النبوة رضى الله تعالى عنهم وعملهم وهو عندى وعند كل منصف اقوى من عمل اهل المدينة وذلك لان حجيته ليس الا من حيث ان ما توارثه اهل بلد صاغرا عن كابر مستمرا من غير طريان تغير عليه يستند عادة الى رئيس ذلك البلد اذا كان معلوما باهتمام مراسم خاصة فى رياسته وترويجها على مرؤسيه من اهله وذلك فى توارث اهل بيته كذلك واستناده الى رئيس البيت وصاحبهم الذى يعلو لهم ويسوسهم مع شدة اعتناءهم بالاتيان بما يامرهم واتباعهم فى كل ما يفعله اقوى فى العادة واثبت فى الحفظ فانهم اضبط الاقوام لحاله واعلم باقواله واعماله بل لا يصل الى اهل البلد من رئيسه كثير شىء من

میں اسکا بھی معتقد ہوں کہ اجماع اہلبیت علیہم السلام اور اونکا عمل حجت ہے اور وہ میرے نزدیک بلکہ ہر صاحب انصاف کے نزدیک قوی تر ہے عمل اہل مدینہ سے کیونکہ عمل اہل مدینہ اسیوجہ سے حجت ہے کہ جو فعل اُن میں بحیثیت توارث جاری ہے کہ ہر چھوٹا اپنے بڑے سے اوسکو سیکھتا چلا آیا اور بغیر کسی قسم کے تغیر و تبدل کے اوسپر عمل کرتا آیا۔ تو یہ امور عادۃً منسوب ہونگے رئیس بلد کی طرف کہ یہ عادات و اطوار اوسی رئیس سے لئے گئے ہیں خصوصاً جب اوس رئیس کے اہتمام سے بھی معلوم ہو کہ اپنے مراسم خاصہ کی ترویج میں اوسکو کوشش ہو کہ اپنی ریاست میں اوسے جاری کرے اور رعایا سے اوسکی پابندی چاہے تو بالیقین اون

ذلك الاصدار من اهل بيته لا سيما ويدخل في اهليته نساءه ايضا مع الذكور من اولاده واقربائه وخدمهم ومواليهم فيحيطون باحوال داخل البيت وخارجه وما نعني من اهل بيت النبوة في هذه المسئلة الا ما يشتمل لنسائه صلى الله تعالى عليه وسلم و ذكور بني هاشم والمطلب فاذا اجمعوا على شيء وتوارث ذلك فيهم فهو عندي حجة سمعت شانها وصفتها على ما ذكرنا هذا مجرد ما يعطي وحدة البيت معه صلى الله تعالى عليه وسلم وملازمة اهل حضرته من الاطلاع على احواله واقواله واعماله صلى الله تعالى عليه وسلم والزائد على ما يعطي من ذلك وحدة البلد معه صلى الله تعالى عليه وسلم وملازمة اهله اياه صلى الله تعالى عليه [illegible]

رعایا کے افعال و اعمال سے معلوم ہوگا کہ یہ سب اصلاح رئیس کی ہدایت اور تعلیم سے ہے۔

اسی طرح **اہلبیت** کا توارث اور اونکے افعال کی نسبت رئیس خاندان کی طرف بدیہی ہے خاص کر جب معلوم ہو کہ وہ افسر خاندان ہمہ وقت کوشش کرتا ہے اسمین کہ اوسکے خاندان کے لوگ اون آداب و قواعد کو سیکھین اور نہایت اہتمام کرتا ہو اسمین کہ وہ لوگ بجا لائین اوسکے کل اوامر و نواہی کو۔ اور ہر بات مین اوسکی پیروی کرین۔

تو ایسے امور جو اوس خاندان مین جاری ہون وہ من حیث الدلا نہایت قوی اور محفوظ ہین کیونکہ یہ لوگ اپنے بزرگ خاندان کے حا سے زیادہ واقف اور اقوال افعال مین زیادہ مطیع ہونگے

الی ذالک حدیث الثقلین فمن ورد منهم علی ما مر من بیانه مما یکاد یثبت فی کل واحد من علمائهم العصمة فان لم یثبت فیه اہل بیت ۱۲ ففی کلهم عند اجماعهم علی امر فان لم یثبت العصمة رأسا فغلبة ظن الاصابة فی کل واحد ثانیا لم یثبت فیه ففی کلهم عند اجماعهم علی ما لا یجد ذالک فی اجماع من لم یرد فیهم نص مثله من الشارع صلی اللہ تعالی علیه وسلم وان لم یقر بذلک کله فلا اقل من ان نؤمن بان عملهم مما یرجح احد المتعارضین من الاحادیث علی الآخر کعمل اهل المدینة المنورة ولهذا استوا مثل الحاکم ای للترجیح بعلیہم ۱۲ ابی عبد الله و سلیمان الاعمش ومحب الدین الطبری الرجال الابطال من رؤساء علماء السنة شیعة وقالوا صحیح مسلم ملاٰن من الشیعة ولما قال مالک بحجیة عمل اهل المدینة المعظمة لزمه القول بحجیة عملهم لا سیما فیما اجتمع علیه الائمة

اونکے زیادہ ضابط ہونگے بہ نسبت دیگر حضرات اہل شہر کے بلکہ حق تو یہ ہے کہ اہل شہر کو بہت سے حالات اور افعال و عادات معلوم ہی نہونگے مگر اوسکے خاندان کے ذریعہ سے۔ کیونکہ اونکو دیکھ کر اہل شہر سمجھین گے کہ یہ امور ہمارے رئیس کے افعال و عادات سے ہین اور خاندان مین داخل ہین اونکی عورتین بھی اور ذکور اونکے اولاد و اقربا سے اور خدم و موالی اونکے کہ یہ سب محیط ہین احوال داخل خانہ سے اور خارج خانہ سے یہان ہم اہل بیت نبوۃ سے معنی عام مراد لیتے ہین جو شامل ہو نساء نبی کو اور ذکور بنی ہاشم و عبد المطلب کو کہ جب وہ کسی امر پر اجماع کرین اس حیثیت سے کہ وہ بحیثیت توارث اونمین جاری ہو۔ تو

اثنی عشر رضی اللہ تعالی عنہم لما ذکرنا والحق حق وان لم یاخذ بہ احد۔

وہ میرے نزدیک حجت ہے اور بہات تو یہی حجت جسکی صفت اور شان تو سُن چکا۔

یہ جو کچھ مینے بیان کیا صرف وحدت بیت (ایک گہر مین رہنا ۱۲ کا اثر ہے کہ صرف اہل خاندان سے ہونے اور ہر وقت کے ساتھ رہنے اور ملازمت سے یہ ضرور ہے کہ اونکو حضرت کے اقوال و اعمال پر زیادہ اطلاع ہو بہ نسبت اونکے جو صرف ایک شہر مین حضرت کے ساتھ ہین اور پیچھے حضرت اہل و عیال و خاندان والون سے ملتے رہتے ہین (کیونکہ اگرچہ وہ بھی حضرت کے حالات سے بہ نسبت دوسرے شہر والونکے زیادہ مطلع ہوتے ہین۔ مگر خاندان والون کی اطلاع اس سے کہین بڑہی ہوتی۔)

چہ جائیکہ اس کے ساتھ حدیث ثقلین ملالی جائے جو اون حضرات اہلبیت طاہرین کے بارہ مین وارد ہے جس سے ہر واحد کی اون علمأ اہلبیت طاہرین سے عصمت ثابت ہے۔ اور اگر سبکی عصمت فرداً فرداً نہ بھی ثابت ہو۔ تو اجماع کی حالت مین تو سبکی عصمت ضرور ہی ثابت ہے جس سے اونکا اجماعی مسئلہ ضرور مسلم ہوگا۔

اور اگر ہم فرض کرلین کہ عصمت کسیکی ثابت ہی نہین ہوسکتی۔ تو یہ تو ضرور ثابت ہوگا کہ ان مین سے ہر ایک شخص کے افعال و اعمال مین ظن غالب اصابت ہے کہ اونکے افعال و اعمال منفرداً حق اور صواب ہونگے۔ اور اگر

ہم مان لین کہ فرداً فرداً اصابت نہین ثابت ہوتی۔ تو سبکے اجماع مین توضرور یہی اصابت ہوگی کہ اہلبیت کا اجماع بہ نسبت اور لوگونکے زیادہ قوی ہوگا۔

کیونکہ انکے اجماع کے بارےمین شارع ع کا نص موجود ہے جس سے اوسکی عصمت ثابت ہے۔ اور اگر تم اسکابھی اقرار نہ کروگے تو کم سے کم تمکو اسپر ایمان لانا پڑیگا کہ اہلبیت طاہرین کا عمل ترجیح دیگا ایک حدیث کو دو حدیث متعارض سے جسطرح کہ اہل مدینہ کا عمل ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح دیتا ہے۔ اور یہی (الترجیح بعملھم) باعث ہے کہ امام حاکم ابی عبد اللہ سلیمان اعمش۔ اور محب الدین طبری کو جو رجال ابطال اور روساء علمائے اہل سنیہ سے ہین۔ ان لوگون نے شیعہ نام رکہا اور کہا کہ صحیح مسلم مملو ہے شیعونسے۔

(یعنی چونکہ حاکم و اعمش و محب الدین طبری نے عمل اہلبیت طاہرین سے استدلال کیا اسلئے وہ سب شیعہ کہدئے گئے اور یہین سے اسکی وجہ بھی ظاہر ہوئی کہ صحیح مسلم کی کیون اسقدر وقعت نہین اسیوجہ سے کہ اوسکے راوی ایسے لوگ ہین بخلاف صحیح بخاری کے جسکے رواۃ تمام خوارج ہین)

اور جب امام مالک قایل ہوئے اسکے کہ عمل اہل مدینہ حجت ہے تو ضرور ہوا اونکو کہ وہ قائل ہون اسکے کہ عمل اہلبیتؑ طاہرین بھی حجت ہے۔ بالخصوص وہ عمل جسپر آئمہ اثنا عشرؑ مجتمع ہون جیسا کہ

ہمنے ذکر کیا اور حق حق ہے اگرچہ کوئی اسکو نہ قبول کرے۔ تمام ہوا ترجمہ
اس عبارت سے جہان حجیت اجماع اہلبیت طاہرین علیہم السلام
معلوم ہوئی وہان یہ بھی معلوم ہوا کہ اہلسنت نے قصداً اقوال آئمہ
علیہم السلام کو ترک کیا ہے جیسے خود ملا محمد معین دراسات اللبیب مین
ان لفظون مین اقرار کرتے ہین فالفجیعة کل الفجیعة علی الامة ان خلت
کتب المذاهب الاربعة عن مذهب اهل البیت رض عنهم اجمعین
ثم اذا وجد فیها شیٔ من ذالك یعارض بمثل هذا ولقد سبقت
منا رسالة مفردة فی اسناد الموضعین تکلمنا فیها علی الثانی
واستوفینا الکلام فی الجواب عن الامام الحق رض فلنکتف به ولنتکلم
علی الاول فاعلم ان آئمة الطاهرین رضی الله عنهم یحرمون الرأی
والقیاس ولهذا لما دخل ابو حنیفة علی جعفر بن محمد رض علی ما
حکاه الشعرانی فی اللواقح قال له بلغنی انك تقیس لا تقس فان
اول من قاس ابلیس ص ۴۳

یعنی افسوس صد افسوس اس امت پر کہ ائمہ اربعہ کے مذہب کی کتابین
خالی ہین مذہب اہلبیت رضی اللہ عنہم سے پھر اگر کوئی بات اونکے مذہب
کی پائی بھی جاتی ہے ان کتابون مین تو ایسی باتو نسے اوسکا معارضہ
کیا جاتا ہے حالانکہ مین ایک رسالہ خاص اس باب مین لکھ چکا ہون کہ
جسمین پورا جواب دیا ہے امام بحق جناب امام حسن کی طرفسے اوسی پر
اکتفا کرتا ہون اور کہتا ہون کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام حرام جانتے تھے

قیاس اور رائے کو یہی وجہ ہے کہ جب ابو حنیفہ خدمت جناب امام جعفر صادق عم ین حاضر ہوئے تو حضرت نے فرمایا مینے سنا ہے تو قیاس کرتا ہے۔ قیاس نہ کر کہ پہلا قیاس کرنیوالا شیطان ہے ۔

بہر حال ہمارا مقصود یہان نہ قدح ابو حنیفہ ہے نہ اسکی شکایت کہ حضرات اہلسنت نے ائمہ طاہرین کی متابعت کیون ترک کی کیونکہ قیامت یقینی ہے ۔ اوس روز خداوند قہار خود انسے سوال کریگا۔ اور یہ جواب دینگے ہمارا فرض تو صرف یہ ہے کہ لکھدینیکو ولی دین عمل کرین ۔

ہان انسانی ہمدردی ۔ اسلامی اخوت مجبور کرتی ہے کہ راہ حق کو واضح کرین اور حجت کو تمام کرین کہ دیکھو خدا نے تمکو کیا حکم دیا ہے اوسکے رسول نے کیا بتایا ہے اوسکے جانشین اور خلفا نے کیا سکھایا ہے کہ کسطرح نماز پڑہو ہاتھ کہول کر یا باندہ کر کیونکہ ابہی تم دیکھ آئے اور پڑھ آئے کہ اون حضرات کا عام قاعدہ یہی تہا کہ نماز ہاتھ کہولکر پڑہین اور تمامی صحابہ و تابعین و تمامی اہل مدینہ کا جو ہر وقت حضرت کی خدمت مین رہتے اور آپکو نماز پڑھتے دیکھتے ۔ اونکا یہی عمل تہا ۔

چونکہ ملا محمد معین نے آئمہ اطہار علیہم السلام کی طرف ضمناً اسکی نسبت کی ہے کہ وہ حضرات نماز ہاتھ کہولکر پڑہا کرتے اسلئے ایک حدیث فروع کافی کی بھی یہان لکھتا ہون جس سے معلوم ہو کہ واقعاً اون حضرات کا یہی معمول تہا ۔

فروع کافی کے باب افتتاح الصلوة والحد فی التکبیر وما یقال عند ذلک

میں ہے۔ علی بن ابراهیم
عن حماد بن عیسی قال قال
لی ابو عبد الله علیه السلام یوما
یا حماد تحسن ان تصلی قال
فقلت یا سیدی انا احفظ
کتاب حریز فی الصلوة قال
لا علیک یا حماد قم فصل قال
فقمت بین یدیه متوجها الی
القبلة فاستفتحت الصلوة
فرکعت وسجدت فقال یا حماد
لا تحسن ان تصلی ما اقبح الرجل
منکم ان یاتی علیه ستون
سنة او سبعون سنة فلا یقیم
صلوة واحدة بحدودها
تامة قال حماد فاصابنی
فی نفسی الذل فقلت جعلت
فداک فعلمنی الصلوة فقام
ابو عبد الله علیه السلام مستقبل
القبلة منتصباً فارسل یدیه
جمیعا علی فخذیه قد ضم
اصابعه وقرب بین قدمیه
حتی کان بینهما قدر ثلاث
اصابع منفرجات واستقبل
باصابع رجلیه جمیعاً القبلة
لم یحرفهما عن القبلة وقال
بخشوع الله اکبر ثم قرء الحمد
بترتیل وقل هو الله احد

یعنی علی بن ابراہیم حماد بن عیسی سے
روایت کرتے ہین کہ ایکروز جناب
امام جعفر صادق ع نے مجھسے فرمایا اے
حماد کیا تو اچھا جانتا ہے کہ نماز پڑھے۔ مے
نے کہا اے سید میرے مینے یاد کیا ہے
کتاب الصلوۃ حریز کو۔ حضرت نے
فرمایا کوئی حرج نہیں۔ تم کھڑے ہوکر
نماز پڑھو۔ حماد کہتے ہین کہ مین کھڑا
ہوا سامنے آپکے اور قبلہ کی طرف
رخ کرکے افتتاح صلوۃ کیا اور رکوع
وسجود بجالایا۔ حضرت نے فرمایا اے
حماد تونے اچھی طرح نماز کو نہین ادا
کیا۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ
تملوگون کی عمر ساٹھ ستر برس کی ہو
جائے اور ایک نماز بھی درست
طور سے نہ پڑھو اور اوسکے حدود
کو پورے طور سے نہ بجالاؤ۔ حماد
کہتے ہین اس کلمہ سے نہایت ذلت
معلوم ہوئی اور مینے عرض کیا کہ

ثم صبر هنیة بقدر ما یتنفس
وهو قائم ثم رفع یدیه حیال وجهه
وقال الله اکبر وهو قائم ثم رکع
وملأ کفیه من رکبتیه منفرجات
ورد رکبتیه الی خلفه حتی استوی
ظهره حتی لو صب علیه قطرة من ماء
او دهن لم تزل لاستواء ظهره
ومد عنقه وغمض عینیه ثم سبح
ثلاثا بترتیل فقال سبحان ربی
العظیم وبحمده ثم استوی قائما
فلما استمکن من القیام قال
سمع الله لمن حمده ثم کبر و
هو قائم ورفع یدیه حیال
وجهه ثم سجد وبسط کفیه
مضمومتی الاصابع بین یدی
رکبتیه حیال وجهه فقال سبحان
ربی الاعلی وبحمده ثلاث مرات
ولم یضع شیئا من جسده علی شیء
منه وسجد علی ثمانیة اعظم

آپ پر فدا ہون مجھے نماز کی تعلیم
فرمایئے۔ پس کھڑے ہوئے امام
جعفر صادقؑ اور قبلہ کی طرف
رخ کیا سیدھے ہو کر۔ اور دونون
ہاتھون کو آپنے سیدھے لٹکا دیا
اپنے زانوؤں پر اور انگلیان اوسکی
ملا لین۔ اور نزدیک کیا اپنے
دونو قدم کو۔ کہ اونمین تین یا چار
انگل کا فاصلہ رہا۔ اور پیر کی
اونگلیون کو بھی جانب قبلہ کیا
کہ کچھ نہ رہے قبلہ سے۔ پھر بخشوع
کہا اللہ اکبر۔ پھر سورہ الحمد کی تلاوت
کی بہ ترتیل بعدہ قل ہو اللہ احد
پڑھا اور اتنی دیر تک کھڑے رہے
کہ سانس لے لین۔ پھر دونو ہاتھونکو
بلند کیا برابر چہرہ اقدس کے اور کہا
اللہ اکبر۔ ابھی تک آپ کھڑے ہین
پھر رکوع کیا اور بھر لیا دونون
ہتھیلیونکو گھٹنونسے۔ کہ انگلیان

الکفین والرکبتین وانامل
ابہامی الرجلین والجبہة و
والانف وقال سبعة منہا
فرض یسجد علیہا وہی التی
ذکرہا اللہ تعالی فی کتابہ
فقال وان المساجد للہ فلا
تدعوا مع اللہ احدا وہی الجبہة
والکفان والرکبتان والابہامان
ووضع الانف علی الارض
سنة ثم رفع راسہ من السجود
فلما استوی جالسا قال اللہ
اکبر ثم قعد علی فخذہ الایسر
وقد وضع ظاہر قدمہ الایمن
علی بطن قدمہ الایسر وقال
استغفر اللہ ربی واتوب الیہ
ثم کبر وہو جالس وسجد
السجدة الثانیة وقال کما قال
فی الاولی ولم یضع شیئا من بدنہ
علی شیئ منہ فی رکوع ولا سجود

کہلی ہوئی تہین - اور دبایا گہٹنے
کو پیچہے کی طرف - یہانتک کہ برابر
ہوئی آپکی پشت کہ اگر اوسپر ایک
قطرہ پانی کا ڈالا جائے - یا تیل تو
وہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے بوجہ
اسکے کہ پشت برابر تہی اور سر ملا دیا
گردن کو - اور بند کرلیا آنکہونکو
اور تین مرتبہ ستر تک کہا سبحان
ربی العظیم وبحمدہ پہر سیدہے
کہڑے ہوگئے جب اچہی طرح کہڑے
ہوئے تو فرمایا سمع اللہ لمن حمدہ
پہر تکبیر کہا کہڑے کہڑے - اور دونو
ہاتہون کو چہرہ تک بلند کیا - پہر
سجدہ کیا - اور پہیلا دیا ہتہیلیون کو
کہ انگلیان اوسکی ملی ہوئی تہین -
سامنے دونو گہٹنون کے مقابل
چہرہ کے اور کہا سبحان ربی
الاعلی وبحمدہ تین مرتبہ اور نہ
رکہا آپنے ایک بدن کو دوسرے

وکان مجنحا ولم یضع ذراعیہ
علی الارض فصلی رکعتین علی
هذا و یداه مضمومتا الاصابع
وهو جالس فی التشهد فلما
فرغ من التشهد سلم فقال
یا حماد هكذا صل

بدن پر۔ اور سجدہ کیا آٹھ عضو پر
دونو ہتیلیان۔ دونو گھٹنے اور
دونو زانو اور دونو انگشت
پیرون کی۔ اور پیشانی اور ناک
اور فرمایا کہ سات عضو پر سجدہ
کرنا فرض ہے جسکا خدا نے ذکر
کیا ہے آیہ وان المساجد للّٰہ فلا تدعوا مع اللّٰہ احدا مین کہ وہ
پیشانی۔ دونو کف دست دونو گھٹنا۔ دونو انگشت ہین پیرون
کی۔ اور ناک کا رکھنا خاک پر سنت ہے پھر بلند کیا سر اپنا سجدہ
سے جب سیدہے بیٹھے تو کہا اللّٰہ اکبر۔ پھر بیٹھے بائین زانو پر کہ ظاہر
قدم امین رکھا بطن قدم الیسر پر اور کہا استغفر اللّٰہ ربی واتوب
الیہ۔ پھر تکبیر کہا بیٹھکر۔ اور سجدہ کیا دوسرا سجدہ۔ اور کہا جسطرح
پہلے سجدہ مین کہا تھا۔ اور نہ رکھا ایک عضو کو دوسری
عضو پر رکوع و سجود مین اور تھے پھیلائے ہوئے ہاتھ اور نہ رکھا ساق دست کو
زمین پر۔ اسی طرح دو رکعت نماز پڑہی اور دونو ہاتھ آپکے مضمومۃ
الاصابع تھے۔ اسیطرح تشہد پڑہا اور بعد تشہد سلام کیا۔ پھر
کہا اے حماد اسطرح نماز پڑہا کر۔ تمام ہوا ترجمہ

مینے اس غرض سے اس روایت کو نقل کیا ہے کہ شاید کوئی
مسلمان اس روایت کو دیکھکر اپنی نماز درست کرے دوسرے یہ ک

چونکہ ملا محمد معین صاحب نے ان حضرات کے ہاتھ کھولنے کا ضمناً اشارہ کیا تھا اسلئے اوسکی تصریح دکھانا تھا مطابق روایت شیعہ

اب مین اس بحث کو ختم کرتا ہون کیونکہ بفضلہ تعالی خود کتب معتبرہ اہلسنت سے یہ امر بخوبی ثابت ہوگیا کہ جو طریقہ شیعون کا نماز پڑہنے مین ہے یہی سنت رسول اللہ تھا۔ اور تمامی اہل مدینہ جسمین اولاد و ازواج رسول و موالی و صحابہ و تابعین و تبع تابعین سب داخل ہین سبکا یہی معمول تھا کہ وہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہتے۔ اور اہلسنت کے امام مالک کا یہی مذہب ہے۔ اور امام شافعی کا بھی اسی کے مطابق فتوی ہے۔ تو اب اہلسنت غور کرین۔ اونکی نماز جو ہاتھ باندہ کر ہوتی ہے کیسی ہے کیونکہ نہ کوئی حدیث صحیح اونکے پاس ہے رسول اللہ سے نہ عمل صحابہ ہے نہ عمل تابعین۔ تو اب ہم اس نماز کی نسبت کیا کہین کہ آخر یہ نماز اونکی کیسی ہے۔ والحمد للہ اولاً و اخراً والصلوٰۃ علی نبیہ و اہلبیتہ باطنا و ظاہراً

دوسرا جملہ ابطال دلائل مخالفین

اہلسنت کی سب سے عمدہ دلیل اس مادہ مین روایت صحیح بخاری ہے جو حسب ذیل ہے باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوٰۃ حدثنا عبداللہ بن مسلمہ عن مالک عن ابی حازم عن سہیل بن سعد قال کان ناس یومرون ان یضع الید الیمنی علی ذراعہ

الیسریٰ فی الصلوٰۃ وقال ابو حازم لا اعلمہ الا ینمی ذلک الی

النبی قال اسمعیل ینمی ذلک ولم یقل ینمی ص

یہ باب اسکا ہے کہ داہنے ہاتھ کو بائین ہاتھ پر نماز مین رکھین حدیث بیان کی ہے ہمسے عبداللہ بن مسلمہ نے مالک سے اونہون نے ابی حازم سے اونہون نے سہیل بن سعد سے کہ تھے لوگ حکم کیے جاتے۔ اس بات کا کہ رکھے دہنا ہاتھ کلائی پر بائین ہاتھ کی نماز مین۔ کہا ابو حازم نے مین نہین جانتا مگر یہ کہ وہ نسبت کرتے تھے اسکو رسول اللہ کی طرف کہا اسمعیل نے کہ ینمی ذلک بصیغہ مجہول ہے۔ اور نہین کہا ینمی بصیغہ معروف

خلاصہ یہ کہ سہیل بن سعد روایت کرتے ہین لوگونکو حکم ہوتا تھا کہ داہنا ہاتھ بائین پر رکہین۔

یہی روایت ہے جسپر اسکی بنا ہے کہ ہاتھ باندہ کر نماز پڑہی جائے مگر خود روایت بتا رہی ہے کہ کس وضع کی یہ حدیث ہے جسپر خود علمائے اہلسنت نے چند اعتراض کیے ہین۔

(۱) علامہ عینی لکھتے ہین وفیہ التحدیث بصیغۃ الجمع فی موضع والعنعنۃ فی ثلاثۃ مواضع وھو من افراد البخاری ص ۱۴ جلد ۳

یعنی اسمین پہلے تو حدثنا بصیغہ جمع ہے پھر تین موضع پر عنعنہ ہے۔ اور افراد بخاری سے ہے کہ صرف بخاری اسکے راوی ہین اور چونکہ عام طور سے اہلسنت کے یہان جس روایت مین عن فلان عن فلان

ہو وہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ صحیح میں اتصال ضروری ہے اور عنعنہ بلا اتصال بھی ہوتا ہے لہذا یہ روایت عام طور سے حکم صحت سے خارج ہے اور بغیر صحت حدیث استدلال درست نہیں

دوسرے حدیث مبہم ہے نہ معلوم اسکا تعلق حالت قیام سے ہے یا قعود سے۔ اسلیئے ابن حجر کو شرح میں یہ جملہ بڑہانا پڑا ای فی حال القیام مگر نفس حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے حال قیام سمجھا جاے

تیسرے اسمیں بھی ابہام ہے کہ کسکا حکم تھا کون حکم دیتا۔ اسی سے ابن حجر کو یہ لکہنا پڑا ھذا حکمہ الرفع لانہ محمول علی ان الامر لہم بذلک ھو النبیؐ کما سیاتی یعنی یہ حدیث حکم رفع میں ہے (یعنی نسبت ہے آنحضرت کی طرف) کیونکہ محمول ہے اسپر کہ حکم دینے والے اسکے رسول اللہ تھے جیسا کہ آتا ہے۔

مگر اسمیں یہ خرابی ہے کہ اگر حضرت کا امر ثابت ہو تو اوس سے وجوب اسکا ثابت ہوگا اسلیئے کہ امر وجوب کے لئے ہے اور کوئی قائل بوجوب نہیں لہذا نسبت امر حضرت کی طرف غلط ہے۔

پس اگر فرض کیا جائے تو اس سے لازم آتی ہے مخالفت امام مالک و شافعی جو قائل بہ ارسال تھے یعنی ہاتھ کہول کر نماز پڑہنا اونکا مذہب تھا بلکہ امام مالک تو ہاتھ باندہنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ تو کیا کوئی کہ سکتا ہے کہ امام مالک کا مذہب بمخالفت امر رسول قائم ہوا۔

تیسرے اگر اس لفظ ینمی وغیرہ سے یہ بات پیدا ہوتی تو ابو حازم کو اسکی

تصریح کی کیا ضرورت تھی لا اعلمہ الا ینمی ذلک الی النبی یعنی میں جہانتک جانتا ہون وہ اس روایت کو نسبت کرتے تھے حضرت کیطرف کیونکہ اگر اصل روایت سے یہ بات پیدا ہوتی تو اس اضافہ کی ضرورت نہ تھی یہی وجہ ہے کہ خود ابن حجر نے اس اعتراض کو نقل کیا ہے اور جواب دیا ہے قیل لو کان مرفوعا لما احتاج ابو حازم الی قولہ لا اعلمہ الخ و الجواب انہ اراد الانتقال الی التصریح فالاول لا یقال لہ مرفوع وانما یقال لہ حکم الرفع یعنی کہا گیا ہے کہ اگر یہ حدیث مرفوع ہوتی ۔ (یعنی منسوب آنحضرت کی طرف) تو ابو حازم کو اسکی ضرورت نہ ہوتی کہ وہ لا اعلمہ الخ کہتے ۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ اونہوں نے ارادہ کیا اسکا کہ انتقال کریں طرف تصریح کے (یعنی تصریح کر دیں کہ یہ حضرت سے روایت ہے) کیونکہ اول کو مرفوع نہیں کہتے بلکہ حکم رفع کہتے ہیں ۔

یعنی غرض یہ ہے کہ روایت مبہم تھی اسلیئے اسکی تصریح کر دی کہ یہ ہدایت حضرت ہی سے ماخوذ ہے حضرت ہی حکم دیتے تھے مگر اسمین یہ خرابی ہے کہ راوی کی تصریح سے کیا ہوتا ہے جب تک خود اصل راوی اول نہ بیان کرے کہ ہمنے رسول اللہ سے سنا یا حضرت نے ہمسے بیان کیا ۔ اوسوقت تک حدیث کی مرفوعیت نہیں معلوم ہوتی ۔ یہی وجہ ہے کہ خود ابن حجر لکھتے ہیں واعترض الدانی فی اطراف الموطا فقال ھذا معلول لانہ ظن من ابی حازم ورد بان ابا حازم لو لم یقل لا اعلمہ الی اخرہ لکان فی حکم المرفوع لان قول الصحابی کنا نومر بکذا ینصرف

نظاهره الی من له الامر وهو النبی ﷺ لان الصحابی فی مقام تعریف الشرع فیحمل علی من صدر عنه الشرع ومثله قول عائشة کنا نؤمر بقضاء الصوم فانه محمول علی ان الامر بذلك هو النبی ﷺ واطلق البیهقی انه لاخلاف فی ذلك بین اهل النقل ص ۲۰۶

کہ دانی نے اطراف موطا میں یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ قول اسوجہ سے معلول ہے کہ یہ گمان ابو حازم ہے (اور گمان راوی کوئی چیز نہیں) اسکا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر ابو حازم یہ نہ کہتے کہ ہم جہاں تک جانتے ہیں اس قول کی نسبت حضرت کی طرف ہے۔ تو بھی یہ حدیث حکم رفع میں ہوتی کیونکہ جب صحابی یہ کہتا ہے کہ ہمکو ایسا حکم دیا جاتا تھا۔ تو یہ اسی پہ محمول کیا جاتا ہے کہ حکم دینے والے آنحضرت ہیں۔ کیونکہ صحابی مقام تعریف شرع میں ہے۔ لہذا اسی پر حمل کیا جائیگا کہ یہ حکم شارع ہے۔ اور اسی کے مثل ہے قول عائشہ کہ ہم لوگ حکم دیئے جاتے تھے بقضاء صوم کیونکہ اس سے یہ ارادہ ہے کہ آنحضرت حکم دیتے تھے۔ اور بیہقی نے تو اسکا دعوی کیا ہے علی الاطلاق کہ اہل نقل کو اسمیں اختلاف ہی نہیں۔

اقول افسوس ہے۔ تو اسپر کہ یہ حضرات دعوی کرتے ہیں علم حدیث کا اور مطلقاً اوس سے بہرہ نہیں رکھتے کیونکہ قول عائشہ کنا نومر میں یا اور اقوال صحابہ میں جو اصطلاح وارد ہیں۔ پھر راوی اصطلاح کی تصریح نہیں کرتا جو اسکا قرینہ ہے کہ وہاں مطلب واضح ہے اور صاف کہ یہ حکم رسول تھا۔ بخلاف اسکے یہاں چونکہ اصل حکم رسول نہیں ہے اسلئے اوس

حدیث کے اعتبار بڑہانے کو کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ حکم دوسرے کسی کا
تھا۔ اسلئے ابوحازم نے لا اعلمہ کا اضافہ کیا جس سے خود بخود اسکی
وضعیت ظاہر ہوگئی۔ کیونکہ اگر یہ حدیث وضعی نہ ہوتی تو ابوحازم
کو اسکے اضافہ کی ضرورت نہ تھی۔ پس یہ قول ابوحازم خود اسکا
بین ثبوت ہے کہ حدیث رسول نہیں ہے ورنہ اصل حدیث بیانکیجاتے تو
کسیکو شک نہ ہوتی اسلئے کہ یہ حکم رسول ہے۔

یہ عام قاعدہ ہے کہ جو حدیث وضعی یا جعلی ہوتی ہے من جانب
اللہ اوسمین کوئی لفظ کوئی قرینہ ایسا ضرور پیدا ہوجاتا ہے جس سے
اوسکی وضعیت کہل جائے کیونکہ واضع خود جانتا ہے کہ یہ حدیث
ہم وضع کر رہے ہین۔ اسلئے وضع کے اخفا کے لئے وہ چاہتا ہے
کسی طرح اسکو ایسا قدر بنائین کہ گمان وضع نہو جس سے خواہی
نخواہی کوئی لفظ ایسا بڑھا تا یا بڑھاتا ہے کہ وہ پردہ دار ہو۔ اور وہی
پردہ داری اوسکا پردہ فاش کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ صحاح ست
مین جو صحیح روایتین ہین اونمین ایسی باتین نہین ہوتین

اگر اسپر بھی تسکین نہو تو خود حافظ ابن حجر کا کلام جو اسکے بعد ہے
ملاحظہ فرمائین کہ لکھتے ہین وقد روی فی سنن ابی داؤد والنسائی
وصحیح ابن السکن شیٔ یستانس بہ علی تعیین الامر والمامور
فروی عن ابن مسعود قال رانی النبی واضعا یدی الیسری
علی الیمنی فنزعہا ووضع الیمنی علی الیسری اسنادہ حسن

یعنی سنن ابو داؤد۔ نسائی۔ صحیح ابن سکن مین ایک ایسی شئی روایت کی گئی ہے۔ جس سے اس بات کی دانست ہوتی ہے کہ آمر و مامور معین ہو۔ کیونکہ روایت کی ہے ابن مسعود سے کہ دیکھا مجھے آنحضرت نے بایان ہاتھ داہین ہاتھ پر رکھے ہوئے۔ تو حضرت نے چھوڑا دیا اور داہنا بائین پر رکھا۔ سند اسکی حسن ہے۔

مگر ہائے اس استیناس نے اور بھی وحشت پیدا کی کیونکہ اولاً یہ حدیث حسن ہے۔ اور وہ حدیث صحیح کہی جاتی ہے تو حدیث صحیح کی وحشت حدیث حسن سے کیونکر دور ہو سکتی ہے کیونکہ حدیث حسن تو بمقابلہ صحیح کوئی چیز نہین۔

دوسرے یہ واقعہ مخصوص ہے ابن مسعود سے اس سے اوس حدیث عام کی وحشت کیونکر دفع ہوئی جسمین یہ بیان ہے کہ عام طور سے حکم دیا جاتا تھا۔

تیسرے اس حدیث مین نہ ذکر صلوۃ ہے نہ ذکر قیام نہ ذکر قعود۔ پھر اس حدیث سے اوسکو کیا نفع پہونچ سکتا ہے جو خاص نماز کے متعلق ہے۔

یہان معمولی عقل کا آدمی بھی کہدیگا کہ جس طرح بخاری نے وضعی حدیث لکھکر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا ثابت کرنا چاہا اوسی طرح ان محدثین نے جو اونکے بعد ہوئے اس وضع کی حدیثین اٹھالین کہ بخاری

کی کاروائی پر بھی پردہ پڑے اور ہاتھ باندھنا بھی ثابت ہو۔ مگر این خیالات محالست وجنون۔ کیونکہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی جسکے راوی خود امام مالک ہین تو اوسکے خلاف اپنا مذہب کیون قایم کرتے جو تمام عالم کو معلوم ہے کہ مالک کا مذہب ہاتھ کہولنا تھا۔ چنانچہ خود ابن حجر ہی لکھتے ہین وروی ابن القاسم عن مالك الارسال وصار الیه اكثر اصحابه وعنه التفرقة بین الفریضة والنافلة ومنهم من كره الامساك ونقل ابن حاجب ان ذلك حیث یمسك معتمدا لقصد الراحة

یعنی ابن القاسم نے مالک سے روایت کیا ہے ارسال کو اور اکثر اصحاب اونکے اسی طرف گئے ہین اور اونسے فریضہ ونافلہ مین فرق بھی منقول ہے اور بعضے علمائے مالکیہ نے کراہت کی ہے ہاتھ باندھنے سے اور ابن الحاجب نے نقل کیا ہے کہ ہاتھ باندھنا بضرورت جائز ہے کہ بقصد آرام ایسا کیا جائے۔

تو اب دو ہی صورت ہے ایک یہ کہ امام مالک نے اپنا مذہب خلاف حدیث صحیح قایم کیا جس سے پھر اونکا کفر لازم آتا ہے ومن یشاقق الرسول دوسرے یہ کہ یہ حدیث صحیح نہین ہے جبھی مالک نے اسکو کوئی چیز نہ سمجھا اور اوسکے خلاف اپنا مذہب قایم کیا۔

اس روایت کا آخری فقرہ جسے مینے علامت وضع قرار دیا ہے وہ قول ابوحازم ہے قال ابوحازم لا اعلمه الا ینمی ذلك الی النبی ص

یعنی کہا ابو حازم نے کہ مین جہانتک جانتا ہون اس روایت کو سہیل نے حضرت کی طرف منسوب کیا ہے - اسکی حقیقت کچھ تو پہلے مذکور ہوئی - مگر صحیح بخاری مین ہے کہ اسمعیل کہتے ہین یہ ینمی ہے بصیغہ مجہول - نہ ینمی بصیغہ معروف مطلب اسکا یہ ہے کہ ابو حازم نے ینمی کہا تھا بصیغہ مجہول کہ مین جہانتک جانتا ہون اسکی نسبت کی جاتی ہے آنحضرت کی طرف نہ یہ کہ ابوحازم نے یہ کہا ہو کہ راوی نے حضرت کی طرف منسوب کیا

ان دونون لفظونکا فرق اسطرح ظاہر ہوگا کہ اگر قول ابو حازم مین ینمی ہو بصیغہ معروف تو اوسوقت یہ معنی ہونگے کہ سہیل نے اسکی نسبت آنحضرت کی طرف کی اس صورت مین حدیث مرفوع متصل ہوگی کیونکہ سہیل نے حضرت کی طرف نسبت کی ہے اور بصیغہ مجہول لیا جائے کہ نسبت کی جاتی ہے - تو اس صورت مین حدیث مرفوع نہ ہوئی بلکہ مرسل ہوئی - جو صحیح نہین ہوتی شرح عینی مین ہے فعلی صیغة المجهول یکون الحدیث مرسلا لان ابا حازم لم یعین من انما له وعلی صیغة المعلوم یکون متصلا لان الضمیر فیه یکون لسهیل بن سعد لان ابا حازم قد تعین له المنمی وهو سهیل بن سعد ص ۱۲۷ جلد ۳

بہر حال جب خود بخاری نے بقول اسمعیل ینمی کو صحیح کہا تو خود بخود یہ روایت ساقط الاعتبار ہوئی کیونکہ مرسل ہے جسکو صحیح نہین کہہ سکتے کہ صیغہ مجہول پڑھنے پر حدیث مرسل ہوگی کہ خود صحابہ کا قول ہوگا اور صیغہ معروف پڑھنے پر حدیث متصل ہوگی کیونکہ ضمیر عائد ہوگی

سہیل بن سعد کی طرف

اس تحقیقات کے بعد کسی متامل کو اسمین شک رہیگا کہ یہ حدیث محض وضعی ہے کیونکہ جس روایت مین اتنی خرابیان ہون وہ کب قابل قبول ہوسکتی ہے چہ جائیکہ اوسپر نماز ایسے رکن دین کا مدار رکہا جائے اور سب سے بڑا قرینہ یہ ہے کہ راوی اس روایت کے امام مالک ہین جنکا مذہب بالکل اسکے خلاف ہے پس اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو ممکن نہ تہا کہ وہ اپنا مذہب اسکے خلاف قرار دیتے۔ کیونکہ لفظ حدیث ایسا مبہم ہے کہ کسیطرح اوس سے یہ نہین معلوم ہوسکتا کہ یہ حکم رسول ہو کیونکہ مولوی عبد الحی صاحب ظفر الامالی فی مختصر الجرجانی مین لکہتے ہین۔ قال ابن الصلاح لا فرق فی ذلک بین ان یقول الصحابی ذلک فی حیوة رسول اللہ او بعدہ انتہی وتبعہ النوی فقال قول الصحابی امرنا بکذا او نہینا عن کذا او امر الناس بکذا ونحوہ کلہ مرفوع سواء قال الصحابی ذلک فی حیوة رسول اللہ او بعد وفاتہ ونقضہ الحافظ العینی فی البنایہ شرح الہدایہ علی قولہ سواء قال ہذا غیر مسلم لجواز ان یقول الصحابی امرنا بکذا ونہینا بکذا بعد رسول اللہ ویکون الامر والناہی احد الخلفاء الراشدین انتہی وہذا الاحتمال قوی البتہ ص ۱۱۲

یعنی ابن الصلاح نے۔ یہ اصول قائم کیا تہا کہ جب صحابی کہے امرنا بکذا تو وہ حدیث مرفوع ہے خواہ عہد نبی مین ہو یا بعد آنحضرت ہو۔ اسپر علامہ

عینی لکھتے ہین کہ یہ غیر مسلم ہے کیونکہ ممکن ہے آمر وناہی خلفاء راشدین سے کوئی خلیفہ ہو۔ مولوی عبد الحی صاحب کہتے ہین کہ یہ احتمال البتہ قوی ہے۔

پس اگر بالفرض یہ حدیث صحیح بھی ہو تو اس سے حکم رسول کہان ثابت ہوا کیونکہ بقول عینی ممکن ہے یہ حکم کسی خلیفہ کا ہو۔

علامہ عینی کا یہی اعتراض اوس حدیث پر بھی ہے کہ امر بلال ان یشفع الاذان ویوتر الوتر اسکے جواب مین لکھتے ہین کہ لا حجة للشافعية فی هذا الحديث لانه لم يذكر الامر فيحتمل ان يكون غير النبی ﷺ ظفر الامانی ص ۱۱۱ پس جب بلال کے بارہ مین اونکا یہ عذر ہے حالانکہ بلال نے پھر کسی خلیفہ کے لئے اذان نہ دی۔ تو سہیل بن سعد کے بارہ مین بدرجہ اولی یہی عذر کافی ہے کہ اونہون نے یہ حکم کسی خلیفہ کا بیان کیا ہو۔ جسکا سب سے بڑا قرینہ یہ ہے کہ مالک جو راوی اس حدیث کے ہین انہون نے اسپر عمل نہ کیا اور برخلاف اونکے اپنا مذہب قائم کیا

یہان عینی نے شرح صحیح بخاری مین کچھ مزید تفصیل سے کام لیا ہے لکھتے ہین ومن جملة ما احتجوا فی الوضع حديث رواه ابن ماجه من حديث الاحوص عن سماك بن حرب عن قبيصة بن المهلب عن ابيه قال كان النبی ﷺ يؤمنا فياخذ شماله بيمينه وحديث اخر اخرجه مسلم فی صحيحه عن وائل بن حجر ان رسول الله ﷺ رفع يديه الحديث وفيه ثم وضع يده اليمنى على اليسرى

وحدیث آخر اخرجه ابوداؤد والنسائی وابن ماجه من حدیث
الحجاج بن ابی زینب سمعت اباعثمان یحدث عن عبداللہ بن
مسعود انه کان یصلی فوضع یده الیسری علی الیمنی فراٰه
النبی علیه الصلوٰة والسلام فوضع یده الیمنی علی الیسری و
حدیث آخر اخرجه دارقطنی من حدیث ابن عباس عن النبی
قال انا معشر الانبیاء امرنا بان تمسك بایماننا علی شمائلنا فی الصلوٰة
وفی اسناده طلحة ابن عمر متروك وعن ابن معین لیس بشیٔ
وحدیث آخر اخرجه الدارقطنی ایضاً عن ابی هریرة مرفوعاً نحو
حدیث ابن عباس وفی اسناده النضر بن اسمعیل قال ابن معین
لیس بشیٔ ضعیف ص ۱۵۱ جلد ۳

یعنی جن حدیثوں سے ہاتھ باندھنے پر یہ لوگ استدلال کرتے ہیں ایک
حدیث ابن ماجہ ہے۔ احوص سماک بن حرب۔ قبیصہ بن مہلب۔ مہلب سے
روایت کرتے ہیں کہ حضرت ہم لوگونکو نماز پڑھا رہے تھے تو بائیں ہاتھ کو پکڑا
دائیں ہاتھ سے۔

دوسری حدیث مسلم کی ہی وائل بن حجر سے کہ حضرت نے داہنا ہاتھ
اپنا رکھا بائیں ہاتھ پر

تیسری حدیث روایت ابوداؤد ونسائی۔ وابن ماجہ ہے کہ حضرت نے
داہنا ہاتھ رکھا بائیں پر یہ حدیث حجاج بن ابی زینب ہے ابوعثمان سے
وہ عبداللہ بن مسعود سے کہ یہ بایاں ہاتھ داہنے پر رکھے تھے۔ حضرت نے

داہنا ہاتھ بائین پر رکھا۔

چوتھی حدیث دارقطنی کی ہے ابن عباس سے کہ حضرت نے فرمایا ہم معاشر انبیا کو اسکا حکم ہے کہ داہنے ہاتھ سے بایان ہاتھ پکڑین۔ اس روایت مین طلحہ بن عمرو متروک ہے۔ ابن معین نے کہا لیس بشئی

پانچوین حدیث دارقطنی کی ابوہریرہ سے ہے مثل حدیث ابن عباس اسکے سند مین نضر بن اسمعیل ہے جو بقول ابن معین لیس بشئی ہے ضعیف ہے

یہ پانچ حدیثین ہین جنمین دو جو دارقطنی کی روایت ہے بقول خود عینی لاشئی ہے۔ باقی رہی تین روائتین پہلی روایت کے راوی ابوالاحوص ہین خلاصہ تہذیب الکمال مین ہے قال ابن معین ثقة و مرة ثقة لیس بذاك المتوفی ۲۱۱ھ کہا ابن معین نے ایک دفعہ کہ ثقہ ہین دوسری مرتبہ کہا لیس بذاک

راوی دوم سماک بن حرب ہین میزان الاعتدال مین ہے صفحہ ۴۴۳ جلد اول

سماک بن حرب ابو المغیرہ	خلاصہ یہ کہ سماک بن حرب ذہلی
الذہلی الکوفی صدوق	صدوق ہین صالح ہین اوعیہ علم
صالح من اوعیۃ العلم	سے ہین روایت کی ابن المبارک
مشہور روی ابن المبارک	نے کہ وہ ضعیف ہین۔
عن سفیان انہ ضعیف	جریر ضبی کہتے ہین کہ ہم سماک کے
وقال جریر الضبی اتیت سماکا	یہان گئے تو اسے کھڑے کھڑے
فرأیتہ یبول قائما فرجعت	پیشاب کرتے دیکھا لہذا واپس آگئے

ولم اسأله فقلت خرف
وروى احمد بن ابي مريم
عن يحيى سماك ثقة كان
شعبة يضعفه وقال
جناد المكتب كنا نأتي سماكا
فنسأله عن الشعر ويأتيه
اصحاب الحديث فيقبل
علينا ويقول سلوا فان
هؤلاء ثقلاء وروى
مومل عن حماد بن مسلمه
سمعت سماك بن حرب
يقول ذهب بصري فرأيت
ابراهيم الخليل في النوم
فقلت ذهب بصري فقال
انزل الفرات فاغمس سماك ١٢
وافتح عينيك ان الله تعالى يرد
عليك بصرك ففعلت
ذلك فرد الله تعالى علي بصري
وقال ادركت ثمانين من الصحابة

اور کچھ نہ پوچھا اور کہا کہ خرف
ہو گیا۔ شعبہ بھی انکو ضعیف کہتے
ہین۔ جناد مکتب کہتے ہین کہ ہملوگ
شعر وغیرہ پوچھنے آتے تھے اور
اہلحدیث حدیث سیکھنے تو وہ
ہملوگون کی طرف متوجہ ہوتے
اور اہلحدیث کو کہتے یہ سب ثقیل
ہین۔ مومل نے کہا کہ جب انکی آنکھ
جاتی رہی تو حضرت ابراہیم ع
کو خواب مین دیکھا اونسے شکایت
کی تو کہا فرات مین غوطہ لگاؤ۔
اور آنکھین کھولدو۔ اس سے
پھر اون کی آنکھین روشن ہوگئین
سماک کا بیان ہے کہ ہمنے اسی ۸۰
صحابہ کو پایا۔ احمد کہتے ہین کہ سماک
مضطرب الحدیث ہے ابو حاتم
ثقہ صدوق کہتے ہین۔ صالح
جزرہ ضعیف کہتے ہین۔ نسائی
کہتے ہین جب وہ تنہا روایت

وقال احمد سماك مضطرب الحديث وقال هو اصلح حديثا من عبد الملك بن عمير وقال ابو حاتم ثقة صدوق وقال صالح جزرة يضعف وقال النسائي اذا انفرد باصل لم يكن حجة لانه كان يلقن فيتلقن روى حجاج عن شعبة قال كانوا يقولون سماك وعكرمة عن ابن عباس فيقول نعم فاما انا فلم اكن القنه قد روى قتادة عن ابى الاسود الدولى قال ان سرك ان يكذب صاحبك وقال عبد الله بن احمد بن حنبل قرات بخط ابى عن رجل لم يسمه قال كان سماك بن حرب فصيحا

کریں تو وہ قابل احتجاج نہین کیونکہ انکو لوگ تلقین کرتے تھے تو یہ اوسکو یاد کر لیتے تھے شعبہ کہتے ہین کہ لوگ کہتے تھے سماک وعکرمہ عن ابن عباس تو یہ کہتے ہان۔ ہم اونکی تلقین نہ کرتے تھے۔ عبد اللہ بن احمد بن حنبل کہتے ہین کہ مینے اپنے باپ کے حرف سے دیکھا ہے کہ سماک فصیح تھے اپنی خوش بیانی سے۔ حدیث کو زینت دیتے ذہبی کہتے ہین انسے مسلم نے اور شعبہ نے اور ایک جماعت نے روایت کی ہے ابن مدینی کہتے ہین کہ اونکی دو سو روایت ہے۔ ابن عمار کہتے ہین کہ اکثر غلطی کرتے اور لوگ انکی روایت مین اختلاف کرتے۔ عجلی جائز الحدیث کہتے ہین سفیان ثوری

يزين الحديث بمنطقه
وفصاحته قلت قد احتج
مسلم به في روايته عن
جابر بن سمرة والنعمان
بن بشير وجماعة وحدث عنه
شعبة وزائدة وابو عوانه
والناس قال ابن المديني
نحو مائتي حديث قال ابن
عمار كان يغلط ويختلفون
في حديثه وقال العجلي
جائز الحديث كان الثوري
يضعفه قليلا وقال ابن المديني
روايته عن عكرمة مضطربة
فسفيان وشعبة يجعلونها
عن عكرمة وابو الاحوص
واسرائيل يجعلونها عن عكرمه
عن ابن عباس وقال
يعقوب بن شيبه هو في عكرمه
صالح وليس من المتثبتين ص ۳۸۴

انکو ضعیف کہتے ہیں مگر تھوڑا۔ کہا
ابن مدینی نے کہ ان کی روایت
عکرمہ سے مضطرب
ہے۔ یعقوب بن شیبہ
کہتے ہیں عن عکرمہ میں صالح
ہیں۔ مگر مثبتین سے نہیں ہیں
تمام ہوا ترجمہ

راوی سوم قبیصہ بن مہلب
عن ابیہ میزان میں ہے قال ابن
المدینی مجہول لم یرو عنہ
غیر سماک وقال العجلی ثقہ
تابعی ص ۳۱۱ جلد ۲
کہا ابن مدینی نے کہ قبیصہ
بن مہلب مجہول ہیں بجز سماک
کسی نے اسسے روایت نہیں کی۔
عجلی ثقہ و تابعی کہتے ہیں
ان تصریحات صریحہ سے کہ
تینوں راوی اسکے مجروح ہیں
روایت ابن ماجہ کی قلعی تمام

عالم پر کھل گئی کہ یہ روایت کیسی ہے۔

اس حدیث مین یہ بیان کیا گیا تھا کہ حضرت ہملوگونکو نماز پڑھاتے تھے تو بائین ہاتھ کو دہنے ہاتھ سے پکڑتے تھے۔ پس جب تینون راوی اسکے مجروح وضعیف ہین تو حدیث صحیح کہان رہی اسپر بنا کرکے ہاتھ باندہنا کیسا لغو ہے۔

دوسری حدیث ابن **ماجہ**۔ **ابوداؤد**۔ **نسائی** کی حجاج بن ابی زینب سے ہے کہ ابن مسعود نے کہا ہمنے بایان ہا داہنے پر رکھا تھا حضرت نے داہنا ہاتھ بائین پر رکھدیا۔ ابن حجر نے اسے حسن کہا تھا مگر میزان الاعتدال مین ہے حجاج بن ابی زینب الواسطی الصیقل عن ابی عثمان النہ د ؟، وغیرہ وعنہ یزید بن ھارون وعبد الرحمن بن مہدی قال احمد اخشی ان یکون ضعیف الحدیث وقال ابن معین لیس بہ باس وقال ابن المدینی ضعیف وقال النسائی لیس بالقوی قلت مات سنۃ بضع وخمسین ومائۃ قال الدارقطنی لیس ھو بقوی ولا حافظ ص ۱۸۰ جلد اول

کہا احمد بن حنبل نے مین ڈرتا ہون کہ کہین وہ ضعیف الحدیث نہو۔ ابن معین نے کہا کوئی مضائقہ نہین ابن المدینی نے کہا ضعیف ہے۔ نسائی نے کہا قوی نہین ہے۔ دارقطنی نے کہا وہ قوی نہین ہے نہ حافظ حدیث تھا سنہ ھ وفات

تیسری روایت صحیح مسلم سے حدثنا زھیر بن حرب قال نا عفان قال نا ھمام قال نا محمد بن جحادہ قال حدثنی عبدالجبار بن وائل عن علقمہ بن وائل و مولی لھم انھما حدثاہ عن ابیہ وائل بن حجر انہ رای النبی رفع یدیہ حین دخل فی الصلوۃ کبر وصف ھمام حیال اذنیہ ثم التحف بثوبہ ثم وضع یدہ الیمنی علی الیسری فلما ان اراد ان یرکع اخرج یدیہ من الثوب ثم رفعھما ثم کبر فرکع فلما قال سمع اللہ لمن حمدہ رفع یدیہ فلما سجد سجد بین کفیہ ص ۱۷۳

یہ حدیث اگرچہ بالنسبت حدیث بخاری صریح ہے مگر بالکل خلاف قیاس ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے ہو وہ ان حالات کو مشاہدہ کرے کیونکہ وائل بن حجر بیان کرتے ہین حضرت نے پہلی تکبیر کے لئے ہاتہون کو کانون کے برابر بلند کیا پھر لباس کو مثل لحاف کے اوڑھا پھر داہنے ہاتھ کو بائین ہاتھ پر رکھا جب رکوع کا ارادہ کیا تو ہاتہون کو باہر نکالا پھر تکبیر کہا پھر رکوع کیا جب سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو پھر دونو ہاتہون کو بلند کیا اور جب سجدہ کیا تو دونو ہتھیلیون کے درمیان مین سجدہ کیا۔

اس حدیث کا یہ بیان کہ حضرت نے کپڑہ کو اچھی طرح اوڑھ لیا اور بطور لحاف بنایا خود بتا رہا ہے کہ راوی نے اسکے بعد وضع

یعنی علی الیسری کو محض تخمیناً بیان کیا ہے نہ یہ کہ دیکھا ہو کیونکہ ماموم کو ممکن نہیں ان حالات کو دیکھ سکے خصوصاً جب امام چادر یا لحاف اوڑھے ہو کہ اوسکے اندر ہاتھ کو کیونکر رکھتا ہے کیونکر نہین ۔

ہان اگر یہ کہا جائے کہ وائل بن حجر اس دفعہ شریک جماعت نہ تھے بلکہ بیٹھے رہے تو البتہ ممکن ہے مگر یہ احتمال خود احتمال بعید ہے اور بالکل خلاف قیاس ۔

غرض یہی دو روایتین ہین جن سے استدلال کیا جاتا ہے ہاتھ باندھنے پر چنانچہ نووی کہتے ہین وحجة الجمهور فی استحباب وضع الیمین علی الشمال حدیث وائل المذکور ههنا وحدیث ابی حازم عن سهل رواه البخاری ص ۱۰۳

یعنی دلیل ان لوگونکی جو ہاتھ باندھنے کے قائل ہین ایک یہی حدیث وائل ہے جو صحیح مسلم مین ہے دوسری روایت ابو حازم جو صحیح بخاری مین مذکور ہے تیسری روایت ترمذی جو حسن ہے اور بھی حدیثین ہین مگر اونپر نہ حکم صحت لگایا ہے نہ حسن کا

مگر ان سب روایتون کا جواب علماء متقدمین نے دیا ہے کہ اگر یہ روایتین صحیح ہوتین تو امام مالک اپنا مذہب اسکے خلاف نہ قائم کرتے جو ہاتھ کھول کر نماز پڑہتے ہین ۔ خاص کر جب خود ہی ایک حدیث کے راوی

ہین جو صحیح بخاری کی روایت ہے جس بیداہت ظاہر ہے کہ وہ اس روایت سے واقف تھے کیونکہ خود ہی اوسکے راوی ہین۔ تو بغیر اسکے کہ وہ اس روایت کو غیر صحیح جانتے تھے ممکن نہ تھا کہ اوسکے خلاف اپنا مذہب قائم کرینہ

مین جہانتک سمجھتا ہون اس ہاتھ باندہنے کے موجد **امام ابو حنیفہ** ہین۔ جسے اونہون نے بمخالفت ائمہ اہلبیت ع ایجاد کیا اور چونکہ وہ سلطنت کے آوردہ تھے اسلئے یہی مذہب سلطانی قرار پایا جسکے بعد محدثین بھی اسپر مجبور ہوئے کہ اس قسم کی روایتین ڈھالین لہذا اس ایجاد کے بعد روایتون کی ساخت شروع ہوئی کیونکہ

اولا اسلامی احکام جسقدر دیکھے جاتے ہین اونمین اسقدر سادگی اور بے تکلفی ہے کہ نہ کہین تصنع ہے نہ تکلف۔ اور ابو حنیفہ چونکہ اصلاً عجمی تھے اسلئے اونکی فطرت مین تکلف و تصنع بھرا ہوا تھا اسی لئے اونہون نے شاہی قواعد وآداب سے جو عجم مین مروج تھا کہ بادشاہ کے سامنے مودب **دست بستہ** کھڑے ہون۔ یہ طریقہ اخذ کیا کہ نماز مین بھی دست بستہ کھڑے ہون حالانکہ نہ شارع ع نے اسکی اجازت دی تھی نہ اسکا حکم دیا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ امام مالک جو عربی نژاد تھے اور صحابہ کی اولاد سے اور بود و باش انکی مدینہ مین تھی۔ اس تصنع سے بری رہے

اور وہی طریقہ انہون نے اختیار کیا جو رسول اللہ اور صحابہ وتابعین کا طریقہ تھا۔

ثانیاً ابوحنیفہ کا قیام کوفہ مین تھا جہان شیعون کی جمعیت زیادہ تھی اور اکثر موالی اہلبیتؑ تھے۔ اسلئے انکو اسکی ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی ایسا طریقہ ایجاد کرین جس سے شیعہ وسنی مین ایک نمایان فرق ہوجائے۔ کیونکہ افعال نماز سب کے یکسان تھے سب ہاتھ کھولکر نماز پڑھا کرتے۔ اسلئے کوئی تمیز نہ تھی کہ کون سنی ہے کون شیعہ لہذا ایک ایسا طریقہ ایجاد کیا جس سے بین طور پر فرق نمایان ہو۔

بخلاف اسکے امام مالک کا قیام مدینہ منورہ مین تھا جہان کا بچہ بچہ تک آداب وقواعد سے نماز کے واقف تھا اور پھر ائمہ اہلبیتؑ کا بھی وہین قیام تھا۔ جنسے گو زمانہ موافق نہ تھا مگر نہ اونکی اعلمیت مین کسیکو عذر تھا نہ اسمین کہ یہی لوگ سچے وارث شریعت ہین۔ اسلئے اگر امام مالک وہان چاہتے بھی کہ خلاف طریقہ رائجہ کوئی طریقہ جاری کرین تو کبھی کامیاب بھی نہ ہوسکتے چنانچہ آپ معاویہ کی حالت دیکھ چکے ہین کہ جب اوسنے بسم اللہ کا بہ آواز بلند کہنا سورہ مین ترک کیا تو ہر طرف سے مہاجرین وانصار کی آواز بلند ہوئی کہ اسرقت البسملۃ یا معویہ کہ اے معویہ تونے بسم اللہ چورالیا۔ تو بھلا امام مالک ایسی ایجاد مین کب

کامیاب ہوسکتے تھے۔ اسی سبب سے اور بھی وہ اوس طریقہ سابقہ کو چھوڑ سکے حالانکہ سلطنت کے دباؤ یا خاطر سے ایک روایت پیش کر دیا۔

ثالثاً خلافت بھی چونکہ خاندان بنی ہاشم مین آئی تھی اور بنی عباس و اولاد جناب امیرؑ آپس مین پہلے متحد سمجھے جاتے جسکو منصور دوانیقی نے اپنے زمانہ خلافت مین مٹایا۔ اسلئے وہ خلفا بھی اسیر مجبور تھے کہ کوئی ایسا طریقہ رائج ہو جس سے طرفداران سلطنت اور ہواخواہان اہلبیتؑ طاہرین متمیز ہو جائین۔ اسلئے ہاتھ باندھنے نے زیادہ رواج پایا کیونکہ یہی گویا شاہی مذہب ہو گیا تھا۔

مدینہ منورہ یا مکہ معظمہ چونکہ پائے تخت خلافت سے دور تھا۔ اسلئے اوسپر اثر کم پڑا اور امام مالک یہان مجبور رہتے کہ اوسی طریقہ کو جاری رکھین جو زمانۂ رسول اللہ سے مروج تھا۔

رابعاً امام مالک بہ نسبت ابو حنیفہ کے کچھ آزاد مزاج بھی تھے اور اون مین خود ایک طرح کی شان بھی تھی اسلئے وہ سلطنت کے دباؤ مین زیادہ نہ آتے چنانچہ ایکدفعہ ہارون رشید نے انسے فرمایش کی کہ امین و مامون کی تعلیم کے لئے روزانہ آیا کرین۔ ایک روز تو مالک گئے مگر دوسرے روز انکار کر دیا کہ اہل علم کی یہ شان نہین ہے کہ وہ تعلیم کے لئے جایا کرے بلکہ جو طالب علم ہوتا ہے اوسے آنا چاہیے۔ اسلئے اور بھی اونھون نے اپنا طریقہ نہ بدلا۔

بخلاف ابو حنیفہ کے کہ وہ ایسے خوشامدی تھے کہ منصور دوانقی
نے انکو حکم دیا کہ اینٹین جو شہر بغداد کے تعمیر کے لئے آرہی ہین اونکو
گنا کرو۔ ابو حنیفہ نے اوسے بھی قبول کرلیا۔

خامساً محدثین چونکہ قریب قریب سبھی خلافت کے وظیفہ خوار
تھے۔ اسلئے جو ہواے سلطنت ہوتی اوسکے مطابق حدیثین گڑھ دیتے
اسلئے اتنی حدیثین اس باب مین بھی گڑھ گئین۔ ورنہ کون کہہ سکتا ہے
کہ ایسے حسی امور مین اسقدر اختلاف ہو۔

آپ تو **رسالہ وضو** مین دیکھ چکے ہین کہ وضو کے بارہ مین کیسا
حکم صریح قرآن مین موجود ہے وامسحوا برءوسکم وارجلکم الی
الکعبین جسمین ایک اندھا بھی نہین شک کرسکتا کہ سر اور پیر
پر مسح کا حکم ہے۔ حدیثین بھی بیشمار اسکے موافق ہین۔ مگر چونکہ خلیفہ
دوم نے پیر دھونے کی ایجاد کی تھی۔ اسلئے حدیثین اسکے موافق
بن گئین اور قرآن مین ایک صریح غلطی کا الزام کرلیا گیا۔

اوسی طرح اس ہاتھ باندھنے کو سمجھئے کہ چونکہ سلطنت کا یہی مذہب
تھا لہٰذا ہر طرح کا سامان مہیا کردیا گیا اور ہر قسم کی حدیثین وضع کردی
گئین کہ یہی سنت رسول اللہ ہے حالانکہ محض غلط ہے۔

اگر میرے اس بیان پر وثوق نہو تو علامہ عینی کے کلام سے اس
نتیجہ کو اخذ کیجیے کیونکہ وہ اختلاف محل کے متعلق لکھتے ہین فعندنا
تحت السرۃ وعند الشافعی علی الصدر کہ حنفیونکے نزدیک ناف کے

ہاتھ رکھنا چاہیئے ۔ اسمین کوئی تصریح اسکی نہین ہے کہ کہان ہاتھ باندھنا چاہیئے ۔ مگر ابن خزیمہ نے اپنی صحیح مین یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت نے داہنا ہاتھ بائین ہاتھ پر سینہ پر رکھا تھا ۔ اور حنفیون نے حضرت علیؑ کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ آپ نے فرمایا سنت یہ ہے کہ داہنا ہاتھ بائین ہاتھ پر زیر ناف رکھے ۔ اسپر عینی لکھتے ہین قلت ہذا قول علی بن ابیطالب واسنادہ الی النبی غلط ص۱۵ جلد ۳ یعنی یہ قول حضرت علیؑ کا ہے اور اسکی نسبت رسول اللہ کیطرف غلط ہے ۔

جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ حنفی روایت کیون حضرت کیطرف منسوب کی گئی ۔ اسی لیئے کہ وہ بھی ہاتھ باندھنے مین شریک کر لیے جائین ۔

پھر لکھتے ہین ولکن الذی یروی عن علی فیہ مقال لان فی سندہ عبدالرحمن بن اسحق الکوفی قال احمد لیس بشیء منکر الحدیث یعنی جناب امیر والی روایت مین یہ بھی کلام ہے کہ اوسکی سند مین عبدالرحمن بن اسحق کوفی ہے جسکے نسبت امام احمد کہتے ہین کہ وہ منکر الحدیث ہے اور لیس بشیء ۔

میرا مطلب اس سے یہ نہیں ہے کہ اس روایت سے وہ دست بردار ہوگئے ہون کیونکہ اسکا یہ جواب دیا کہ ابو داؤد نے اوس سے روایت کی ۔ اور ابن حازم نے دوسری روایت نکالی جسکی غرض یہ ہے

کہ یہ سب کچھ ہے مگر ہمارا عمل اسپر ہے۔

اس روایت اور اس تحقیقات عینی سے اسقدر تو آپکو یقیناً معلوم ہوا کہ محدثین اہلسنت نے ہوا داری سلطنت مین کوئی کسر اوٹھا نہ رکھی اور ہر طرح کی کوشش کی کہ رسول اللہ کے نام سے بھی حدیثین گڑہین جناب امیرؑ کی طرف بھی وضعی حدیث کی نسبت کی جسمین وہ ایک حد تک کامیاب بھی ضرور ہوئے کہ مسلمانون کی ایک بڑی جماعت کی نماز کو خراب کیا اور قیامت تک ایک ایسا پھندا ڈال دیا جس سے نکلنا محال ہے۔

اب مین اس رسالہ کو ختم کرتا ہون اور بطور اتمام حجت یہ عرض کرتا ہون کہ براے خدا و رسول اپنی نماز درست کیجیے اور ہاتھ کھول کر نماز پڑہیے۔ جو طریقہ رسول اللہؐ تھا اور طریقہ اہلبیت اطہار اور طریقہ تمامی صحابہ و تابعین و امام مالک جو آجتک مالکیون مین رائج ہے۔ چنانچہ علامہ عینی لکھتے ہین و

وحکی بن المنذر عن عبد اللہ بن الزبیر والحسن بصری وابن سیرین انہ یرسلھما وکذلک عند مالکؒ فی المشھور یرسلھما وان طال ذلک علیہ وضع الیمنی علی الیسری للاستراحۃ ص ۱۵۱

یعنی ابن المنذر نے عبد اللہ زبیر خلیفہ و صحابی اور امام حسن بصری

اور ابن سیرین سے یہ روایت کی ہے کہ وہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے - اور مالک سے بھی روایت مشہور یہی ہے مگر بغرض استراحت وہ اسکی اجازت دیتے تھے اگر نماز مین طول ہوجائے تو داہنا بائین پر رکھے ۔

کیونکہ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھے گا تو آپکو ہزارون دقتین پیش ہین - اولاً یہ کہ اگر سینہ پر ہاتھ باندھے گا تو گو مذہب شافعی مین جائز ہے - مگر حنفیون کے یہان ناجائز - اور دونون کا استدلال حدیث سے ہے - پھر امام شافعی کو یہ بھی شکایت ہوگی کہ ہمنے تو ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کی بھی اجازت دی تھی - اور امام احمد بن حنبل علیحدہ ناراض ہونگے کیونکہ اونسے دو روایت ہے - اگر اس احتمال سے نکل گئے تو پھر یہ دقت ہے کہ کس طرح رکھے گا کیونکہ علامہ عینی لکھتے ہین کہ داہنے ہاتھ کی ہتھیلی (کف دست) بائین ہاتھ کے گٹے پر رکھنا چاہئے - ابو یوسف کہتے ہین داہنے ہاتھ سے بائین ہاتھ کا (رسغ) گٹا پکڑنا چاہئے - محمد کہتے ہین اسی طرح رکھنا چاہئے (یعنی پکڑنا نہ چاہئے) مفید مین ہے کہ (رسغ) گٹے کو خنصر و ابہام سے پکڑنا چاہئے یہی مختار ہے - ذرایہ مین ہے کہ کوع الیسر (جو نر انگشت اور خنصر کی طرف ہے) تو کف ایمن سے پکڑے - یہی قول احمد و شافعی ہے - ابو یوسف کی ایک روایت یہ ہے کہ باطن اصابع کو رسغ پر رکھے اور

اور اکثر مشایخ نے اسکو مستحسن سمجھا ہے کہ باطن کف دست راست کو کف دست چپ پر رکھے اور خنصر و ابہام سے حلقہ باندھے رتنع پر ص۱۵ جلد ۳

کیا کوئی کہ سکتا ہے کہ شریعت سہلہ سمحہ میں ایسی موشگافی ہو سکتی ہے حاشا و کلا یہ سب حنفیون کی ایجاد ہے جس سے شریعت اسلامی کی تضحیک و توہین ہوتی ہے۔

ان سب کے بعد عینی نے اسرار شریعت بتایا ہے چنانچہ لکھتے ہین

الوجه الخامس فی الحکمة فی الوضع علی الصدر او السرة فقیل الوضع علی الصدر ابلغ فی الخشوع وفیه حفظ نور الایمان فی الصّلاة فکان اولی من اشارته الی العورة بالوضع تحت السرة وهذا قول من ذهب الی ان السنة الوضع علی الصدر ونحن نقول الوضع تحت السرة اقرب الی التعظیم وابعد من التشبیه باهل الکتاب واقرب الی ستر العورة وحفظ الازار عن السقوط وذالك کما یفعل بین یدی الملوك وفی الوضع علی الصدر تشبه بالنساء فلا یسن ص۱۷ جلد ۳

کہ ہاتھ باندہنے کا کیا فائدہ ہے۔ سینہ پر ہاتھ رکھے گا تو یہ فائدہ ہے کہ اس مین نور ایمان کی حفاظت ہوتی ہے نماز مین۔ تو یہ اولی ہے بہ نسبت اسکے کہ ناف پر ہاتھ رکھکر اشارہ کرے طرف عورت (یعنی آلہ تناسل کی طرف) اور حنفی اسکا یہ فائدہ بتاتے ہین کہ زیر ناف رکھنے سے ایک فائدہ تو یہ ہے

کہ ستر عورت ہوتی ہے (کیا نماز بلا لباس کے ہوتی ہے) دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ازار (پائجامہ یا تہبند) گرنے سے محفوظ رہتا ہے۔ جیسا کہ بادشاہوں کے سامنے کیا جاتا ہے تیسرا فائدہ یہ ہے کہ تشبہ اہل کتاب سے کچھ بعد ہو جاتا ہے۔ یہ سب فوائد ہیں زیرناف ہاتھ باندھنے کے

اور چونکہ سینہ پر ہاتھ رکھنے سے عورتوں کی مشابہت ہوتی ہے۔ لہذا یہ مسنون نہیں ہے ص۱۲۶ جلد ۳

اس بیان سے اور بھی میرے دعوے کی تصدیق ہوئی کہ امام ابو حنیفہ اسکے موجد ہیں کیونکہ وہ عجمی نژاد تھے شاہی آداب سے واقف لہذا اوسی قیاس پر نماز کا خشوع قائم کیا جسمیں اونکو اہل کتاب کے طریقے نے بھی مدد دی کہ وہ شاید سینہ پر ہاتھ رکھتے تھے لہذا انہوں نے زیرناف رکھا کہ تشبہ اہل کتاب سے بھی علحدہ ہوں اور رسم شاہی آداب بھی قائم رہے۔ یہ فوائد بھی حاصل ہوں کہ ہاتھ عضو مخصوص پر رہے کیونکہ نماز سے بڑھکر کسوقت تخلیہ ہو سکتا ہے

بھلا شریعت کو ان اسرار و فوائد سے کیا واسطہ اوسکی تعلیم تو یہی ہے ما اتیکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا جو کچھ تمکو رسول دیں اوسکو لے لو اور جس سے منع کریں اوس سے باز رہو۔ یہ کس خدا نے کہا کہ تم اپنی رائے دوڑاؤ اپنی عقل اپنے قیاس سے کام لو۔ اسکی تو ہزارہا دفعہ ممانعت کی گئی ہے پھر آپ کون ہیں جو بادشاہان عجم کے طریقہ کو جاری کرتے ہیں کہ دست بستہ کھڑے ہوں۔ اور اہل کتاب کا

طریقہ سیکھے ہین کہ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے ہین، اور اس سے نہین شرماتے کہ خدا کے سامنے کہان ہاتھ رکھتے ہین ۔

اب شافعی او حنفی کا فرق یہ نکلا کہ چونکہ شافعیونپر بقول عینی زنانہ غالب ہے لہٰذا اونھون نے عورتون کی مشابہت اختیار کی ۔ اور حنفیون کو اوسکے مقابلہ مین دوسری قوت شہوانی کے دبانے کی ضرورت تھی لہذا اونھون نے زیر ناف ہاتھ رکھا کہ ازار نہ کھل جائے اور اصل نماز جو روح نماز ہے یعنی حضور قلب اوسکی کسیکو فکر نہ ہوئی کیونکہ پہلے لکھ چکا ہون حضور قلب بغیر ارسال ہین یعنی بغیر ہاتھ ہاتھ کہیں لگا کر نہ ثابت کرنا ممکن ہے ۔

افسوس صد افسوس کہ اسلام کو ان لوگون نے کیسا ذلیل کیا کہ ایک نماز کو بھی اپنی اصلی حالت پر نہ رہنے دیا جس سے اسلام کی استقامت ظاہر ہوتی اور اسکی نشانی کہ ہر وقت ہاتھ کھلے ہوئے ہین جسکی طرف خداوند عالم نے اشارہ فرمایا ہے بل یداہ مبسوطتان ینفق کیف یشاء

فھذا اخر الکلام فی ھذا المقام واللہ ولی
الانعام والصلوۃ والسلام علی رسولہ
والہ الغر الکرام ولعنۃ اللہ علی اعدائہم
الکفرۃ الفجرۃ اللئام رقمہ الاحقر الافقر
خادم الشرع الاطہر علی ظہیر
حشرہ اللہ مع النبی والہ خیر
البشر

[illegible]

[illegible]